فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

کیا دُنیا تیسری جنگ عظیم کی طرف بڑھ رہی ہے؟	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

حج بیت اللہ	۹	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
مسجد اقصیٰ کی تولیت اور عمار خان ناصر کی تحریرات (دوسری قسط)	۱۵	مولانا سمیع اللہ سعدی
برقی تصویر (چھٹی اور آخری قسط)	۲۳	مفتی شعیب عالم
تصوف! قرآن وسنت کی روشنی میں	۳۴	ڈاکٹر بشیر احمد رِند
تقلید پر ایک فی البدیہ جواب	۴۳	پروفیسر محمد حمزہ نعیم
علم النغمات یا قرآن کریم کے لہجات کا فن	۴۶	مولانا عزیز احمد یوسف زئی

دار الافتاء

قربانی کے احکام ومسائل	۵۳	حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

نقد و نظر

	۶۲	ادارہ

کیا دُنیا تیسری جنگ عظیم کی طرف بڑھ رہی ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ و سلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفی

ٹیکنالوجی کی ترقی اور میڈیا کی آزادی کی بنا پر موجودہ دور میں پوری دنیا ایک محلے اور ایک گاؤں کی مانند بن گئی ہے، اگر کسی ملک کے کسی ایک کونے میں کوئی معاملہ یا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو آناً فاناً میڈیا کے ذریعہ پوری دنیا میں اس کی خبر یا شہرت پھیل جاتی ہے، بلکہ اب تو میڈیا کا سہارا لینے والے ادارے اور حکومتی افراد بھی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ میڈیا کو اتنا آگے نہیں جانا چاہیے کہ حساس معاملات اور قومی نوعیت کی تحقیق وتفتیش کے معاملہ میں میڈیا سے وابستہ افراد اور اینکرز اس میں کوئی رائے زنی کریں یا ان معاملات کو وقت سے پہلے اپنی بحث کا موضوع بنائیں۔

بہرحال اسی میڈیا کے ذریعہ سے یہ خبر آئی ہے کہ روس کے صدر ولادی میر پیوٹن نے دھمکی دی ہے کہ اگر امریکہ نے شام کے خلاف کارروائی کی تو روسی فوج سعودی عرب پر حملہ کردے گی اور اس کے لیے اس نے ''ارجنٹ ایکشن میمورنڈم'' بھی جاری کردیا ہے، جیسا کہ درج ذیل خبر میں اس کی تفصیلات آئی ہیں:

> ''دمشق، ماسکو، واشنگٹن (خبرایجنسیاں) روسی صدر ولادی میر پیوٹن نے روسی فوج کو شام پر مغربی ملکوں کے حملے کی صورت میں سعودی عرب پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا، سعودی عرب پر حملے کے حوالے سے روسی فوج کو ''ارجنٹ ایکشن میمورنڈم'' جاری کردیا گیا۔ کریملن کے ذرائع نے تصدیق کی ہے کہ روسی صدر نے فوج کو ''ارجنٹ ایکشن میمورنڈم'' جاری کیا ہے، جس کے تحت شام پر حملے کی صورت میں

سعودی عرب پر حملے کا حکم دیا گیا ہے۔ روس نے ایک بار پھر اپنے بیان کو دُہراتے ہوئے کہا کہ شام میں کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال سرکاری فوج نے نہیں، بلکہ باغیوں نے کیا۔ شام کے لیے اقوامِ متحدہ کے خصوصی مندوب اخضر ابراہیمی کے ساتھ ٹیلی فونک گفتگو میں لاوروف نے کہا: امریکا شام میں فوجی مداخلت سے باز رہے۔ دوسری جانب امریکا نے شام کے خلاف فوجی کارروائی کے لیے تیاریوں کو حتمی شکل دینا شروع کردی ہے، امریکا کا چوتھا بحری بیڑا خطے میں پہنچ چکا ہے۔ امریکی صدر باراک اوباما نے برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون کو ٹیلی فون کرکے شام کی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ برطانیہ سلامتی کونسل میں شام کے خلاف مذمتی قرارداد آج پیش کرے گا۔ ادھر اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے کہا ہے کہ سلامتی کونسل کی منظوری کے بغیر حملے کی اجازت نہیں دیں گے۔ دریں اثناء شام میں باغیوں نے شمالی علاقے کے اہم شہروں پر قبضہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ یورپی سفارتکاروں نے شامی اپوزیشن کو پیغام بھیجا ہے کہ مغربی اتحادی آئندہ چند روز میں شام کے خلاف فوجی کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہیگ میں خطاب کرتے ہوئے بان کی مون نے کہا: ہمیں شام کے تنازع کے پرامن حل کے لیے تمام فریقوں کو مذاکرات کی میز پر لانے کے لیے کوششیں کرنا ہوں گی۔ اگر سلامتی کونسل کے تمام رکن متحد ہوجائیں تو امن کے لیے اپنی اتھارٹی ضرور استعمال کریں گے۔ شام میں باغیوں نے سرکاری فوج سے جھڑپوں کے بعد شمالی علاقے کے اہم شہروں پر قبضہ کرلیا ہے، لڑائی کے دوران ۵۰ فوجی ہلاک ہوئے۔ حمص، حمہ اور دمشق کے قصبوں میں بھی جھڑپیں ہوئیں۔ اقوامِ متحدہ کے انسپکٹرز شام کے ان علاقوں کے معائنہ کے لیے روانہ ہوگئے ہیں، جہاں مبینہ طور پر حکومت پر مخالفین پر کیمیکل ہتھیاروں کے استعمال کے الزامات عائد کیے جارہے ہیں۔ شام کے وزیر اعظم وائل الحلقی نے کہا کہ اگر حملہ ہوا تو شام حملہ آوروں کا قبرستان بن جائے گا۔ ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای نے کہا ہے کہ اگر امریکا نے شام میں فوجی مداخلت کی تو خطہ تباہی کا ڈھیر بن جائے گا۔ فرانس کے صدر فرانسوا اولاندے نے اقوامِ متحدہ کے زیراہتمام شام کے خلاف فوجی حملے کی حمایت کردی۔ نیٹو کے سربراہ آندرے فوگ راسموسن نے کہا کہ کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال پر شام کو جواب

دینا ہوگا۔ ممکنہ امریکی حملے کے پیشِ نظر عراق نے اپنی سیکیورٹی فورسز کو الرٹ کردیا ہے''۔ (روزنامہ ایکسپریس کراچی، جمعرات ۲۹؍اگست ۲۰۱۳ء)

روسی صدر کے اس بیان میں کتنا صداقت اور اس میں کتنا حقیقت ہے؟ یہ تو وقت ہی بتائے گا، لیکن لگ یہ رہا ہے کہ '' الکفر ملة واحدة '' کے تناظر میں تمام کفار مسلم دشمنی کے نکتہ پر متحد و متفق ہیں، اس لیے کہ امریکہ کا شام پر حملہ کرنا یہ کوئی شامی عوام کی ہمدردی و خیرخواہی اور ان کے مصائب وآلام کو کم کرنے کے لیے نہیں ہوگا، بلکہ اس بنا پر ہوگا کہ شام کی حکومت مسلمان کہلاتی ہے اور اپنے نام مسلمانوں جیسے رکھتے ہیں، لہٰذا انہیں اس سے بھی چڑ ہے، اس لیے وہ کیمیائی گیس کے حملہ کو آڑ بنا کر مسلمانوں کو ختم کرے گا اور روس کا شام کی حکومت بچانے اور ان کی حمایت کے نام پر سعودی عرب پر حملہ یہ بھی محض مسلم دشمنی کی بنا پر ہوگا، یعنی نہ امریکہ کو شامی عوام سے کوئی محبت ہے اور نہ روس کو شام کی حکومت سے کوئی ہمدردی ہے، بلکہ دونوں میں سے کوئی ایک اگر شام پر حملہ کرتا ہے یا سعودیہ پر حملہ کرتا ہے تو یہ دونوں حملے محض مسلمانوں کے خلاف ہی ہوں گے اور دونوں حملوں کے نتیجہ میں صرف مسلمان ہی کام آئیں گے، کسی کافر کو کوئی خراش تک نہیں ہوگی، بلکہ دونوں حملوں کے اخراجات بھی ان مسلمان ممالک ہی سے وصول کیے جائیں گے۔ یہ ہیں وہ منحوس نتائج جو مسلمانوں کے آپس میں لڑنے کی بنا پر وقوع پذیر ہوں گے۔

اس لیے خدارا! مسلمان باہم جنگ کے ان نتائج وعواقب کو سامنے رکھ کر اس سے کنارہ کش ہوجائیں اور غلط فہمیوں کی بنا پر باہم پیدا ہونے والے گلے شکوے ایک جگہ بیٹھ کر دور کرلیں، ورنہ کفر تمہارے افتراق وانتشار اور اختلاف ونزاعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تم سب کو نیست ونابود اور ہلاک وبرباد کردے گا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تمام اسلامی ممالک کے حکمران یک زبان ہوکر شورش زدہ ممالک کے حکمران وعوام کو جہاں یہ سمجھاتے کہ باہم جھگڑا نہ کریں اور اس خانہ جنگی کو بند کردیں، اس لیے کہ اس میں نقصان صرف اور صرف مسلمانوں کا ہورہا ہے، وہاں ان کفار ممالک کے حکمرانوں کو چاہے وہ امریکی ہوں یا روسی، انہیں بھی سخت لب ولہجہ میں جواب دیا جاتا اور بتایا جاتا کہ مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں، اگر تم نے کسی ایک اسلامی ملک کے خلاف کارروائی کی تو ہم سب اس خانہ جنگی کے باوجود یک جان ہوکر حملہ کرنے والے کافر ملک کو عبرت کا نشان بنادیں گے۔

الحمد للہ! پاکستانی پارلیمنٹ کے چند ممبران نے اسلامی حمیت وغیرت اور جرأت رِندانہ کا

اظہار کرتے ہوئے اور تمام اسلامی ممالک کی طرف سے فرض کفایہ کے طور پر مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے روسی صدر کو اس کے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

> ''اسلام آباد (آن لائن) پاکستان کے اراکین پارلیمنٹ نے کہا ہے کہ روس کے صدر کا سعودی عرب پر حملے کا بیان جہالت پر مبنی ہے۔ اگر اس نے یہ غلطی کی تو یہ تیسری عالمی جنگ ہوگی۔ پارلیمنٹ کے اجلاس کے دوران میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے ''کے پی کے'' کے سابق وزیر اعلیٰ امیر حیدر خان ہوتی نے کہا ہے کہ روس کو مسلمانوں کے اتحاد کا پتہ ہے۔ ایسی غلطی کی تو روس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ روسیوں کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ پاک نے اتنے بڑے ہاتھیوں کو معمولی پرندے ابابیل سے ٹکڑے کرائے تو روس کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ سعودی عرب پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک مقدس جگہ ہے اور ہم سب ان مقامات پر مر مٹنے کے لیے تیار ہیں۔ عوامی مسلم لیگ کے صدر شیخ رشید نے کہا کہ عرب دنیا پہلے ہی جل رہی ہے۔ روس نے سعودیہ پر حملے کی غلطی کی تو یہ حملہ عالمی جنگ ہوگا، شاید کچھ بھی نہ بچے۔ مسلم لیگ (ن) کے رہنما شیخ روحیل اصغر نے کہا کہ سعودی عرب پر حملہ امت مسلمہ پر حملہ ہوگا۔ ورلڈ پنجابی آرگنائزیشن کے مرکزی چیئرمین ایم اشرف سہیل نے کہا ہے کہ سعودی عرب امت مسلمہ کے لیے وہ مقدس مقام ہے جس کے لیے ہر مسلمان مر مٹنے کو تیار ہے۔ رکن قومی اسمبلی محسن رانجھا نے کہا کہ روس کے صدر کا بیان جہالت ہے، اسے منہ کی کھانا پڑے گی''۔ (روزنامہ ایکسپریس کراچی، جمعہ ۳۰ / اگست ۲۰۱۳ء)

بلا شبہ ان اراکین پارلیمنٹ نے جو کچھ کہا ہے، یہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی آواز ہے اور یہ صرف بیان ہی نہیں، بلکہ تمام کفار کو مسلمانوں کی طرف سے پیغام بھی ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان معزز ارکان اسمبلی کی زبان سے جاری کرایا ہے، اس لیے امریکہ ہو یا روس ان مسلم ممالک پر حملوں کے ناپاک ارادوں سے باز آجائیں اور مسلمانوں میں برپا کی ہوئی اس خانہ جنگی کو مزید ہوا دینے اور بھڑکانے سے گریز کریں، ورنہ یہ خوابیدہ مسلمان اگر جاگ گئے تو اندیشہ ہے کہ یہ جنگ کہیں تیسری جنگ عظیم نہ بن جائے۔

اسلامی ممالک کے تمام سربراہان اور اسلامی ممالک کی تمام اقوام سے ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر غور وفکر فرمائے اور ان پر عمل کرے تو ان شاء اللہ! اللہ سے امید ہے کہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ دوبارہ لوٹ آئے گی اور ان کا

کھویا ہوا مقام اُنہیں دوبارہ مل جائے گا، اخلاص شرط ہے!:

۱:...... ہر اسلامی ملک اپنے ملک میں اسلامی قوانین اور حدود کا نفاذ کرے اور غیر اسلامی اور غیر شرعی نظام کو ختم کر کے اسلامی نظام کو نافذ کرے۔

۲:...... تمام اسلامی ممالک کے حکمران اپنے بل بوتے پر اور اپنے ملک کے رائج قوانین اور ضابطوں پر عمل کرتے ہوئے حق حکمرانی استعمال کریں اور کسی کی بے ساکھی استعمال کرتے ہوئے ہرگز ہرگز اقتدار قبول نہ کریں اور نہ ہی اقتدار کو اپنی ذاتی جاگیر تصور کریں۔

۳:...... تمام اسلامی ممالک کے حکمران کفار سے تعاون لینے کو اپنے لیے ممنوع قرار دے دیں، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ اُحد کے موقع پر یہودیوں کے جنگجوؤں سے مدد لینے کو منع فرمایا، جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے:

''عن أبی حمید الساعدی أن النبی ﷺ خرج یوم أحد حتّٰی إذا جاوز ثنیة الوداع فإذا هو بکتیبة خشناء، فقال: من هؤلاء؟ قالوا: عبداللّٰه بن أبی فی ستمائة من موالیه من الیهود من بنی قینقاع، فقال: وقد أسلموا؟ قالوا: لا یا رسول اللّٰه! قال: مروهم فلیرجعوا فإنا لانستعین بالمشرکین علی المشرکین''۔ (مجمع الزوائد، ج:۵،ص:۳۹۳،حدیث نمبر:۹۵۷۱)

''حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ سے نکل کر جب ثنیۃ الوداع پہنچے تو دیکھا کہ ایک لشکر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: عبداللہ بن اُبی قبیلہ بنوقینقاع کے چھ سو یہودی حلیفوں کے ساتھ آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ مسلمان ہوگئے ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو کہو کہ واپس چلے جائیں، کیونکہ ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے''۔

۴:...... ہر ملک کی فوج اپنے ملکی قانون کی پاسداری کرے اور اپنے ملک کے آئین و قانون کو توڑ کر اپنے حلف کی خلاف ورزی نہ کرے۔

۵:......اور کوئی ملک دوسرے ملک کے داخلی معاملات میں بالکل مداخلت نہ کرے اور نہ ہی دوسرے ملک کے کسی گروہ یا جماعت کی سرپرستی اور مالی و جانی تعاون کرے۔

۶:...... اگر کوئی کافر ملک کسی اسلامی ملک پر یلغار یا حملہ کرتا ہے تو تمام اسلامی ممالک اُسے اپنے اوپر حملہ تصور کرتے ہوئے اس برادار اسلامی ملک کا دفاع کریں اور اس کا ساتھ دیں، جیسا کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی بادشاہ کو جواب دیا تھا کہ:

’’واللّٰہ لئن لم تنتہ وترجع إلی بلادک یا لعین ! لأصطلحن أنا وابن عمی علیک ولأخرجنک من جمیع بلادک ولأضیقن علیک الأرض بمارحبت ، فعند ذلک خاف ملک الروم وانکف وبعث یطلب الھدنۃ ‘‘۔(البدایہ والنہایہ، ج:۸،ص:۱۱۹)

’’یعنی اللہ کی قسم! اگر تو باز نہیں آئے گا اور اپنے علاقہ کی طرف واپس نہیں جائے گا تو اے لعین! میں اور میرے چچا کے بیٹے (حضرت علیؓ) تیرے خلاف باہم صلح کرلیں گے اور میں تجھے تیرے علاقوں سے نکال دوں گا اور زمین کے فراخ ہونے کے باوجود اُسے تم پر تنگ کردوں گا۔ تو اس پر شاہِ روم ڈر گیا اور باز آ گیا اور صلح جوئی کے لیے قاصد بھیجا‘‘۔

۷:...... اسی طرح تمام اسلامی ممالک اقوامِ متحدہ کی طرح اپنا کوئی مشترکہ اسلامی پلیٹ فارم بنائیں اور اس کو فعال کرکے اپنے نزاعات کا تصفیہ اور حل اس پلیٹ فارم سے طلب کریں۔

۸:...... مسلم عوام کو چاہیے کہ اپنے قومی، صوبائی، لسانی، مذہبی، مسلکی اور وطنی تعصّبات کو بالائے طاق رکھ کر ہر قسم کی فرقہ واریت، اختلاف وافتراق اور انتشار وفساد کا سبب بننے والے عوامل سے اجتناب کریں اور اپنے ملکی قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے حکمرانوں اور ملکی دفاع پر مامور فورسز کو مضبوط کریں۔

۹:...... ہر آدمی اپنے اوپر واجب الاداءٹیکس وقت پر ادا کرے اور ملکی اداروں کے حقوق واموال کی حفاظت کو اپنا فریضہ سمجھے۔

۱۰:...... ہر آدمی' امانت، دیانت، صداقت اور انصاف کو اپنے اوپر لازم کرلے۔ جھوٹ، خیانت، ملاوٹ، دھوکا اور بددیانتی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دے۔ اسی طرح ہر آدمی دوسرے بھائی کا احترام کرے، اس کی جان و مال کی حفاظت اپنی جان و مال کی حفاظت سے زیادہ کرے۔ ان شاء اللہ! اس سے جہاں ملک میں امن وامان کی فضا قائم ہوگی، وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کا نزول اور زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی برکات کا ظہور بھی ہوگا۔

إِنْ أُرِيْدُ إِلَّا الْإِصْلاحَ مَاسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

حج بیت اللہ

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یوں تو ہر عبادت کے لیے قدم قدم پر رحمت وعنایت اور اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔ نماز وزکوٰۃ اور روزہ واعتکاف وغیرہ سب پر جنت اور جنت کی بیش بہا نعمتوں کے وعدے ہیں، لیکن تمام عبادات میں ''حج بیت اللہ'' کی شان سب سے نرالی ہے۔ حج گویا دبستانِ عبدیت کا آخری نصاب ہے، جس کی تکمیل پر بارگاہِ عالی سے رضا وخوشنودی کی آخری سند عطا کی جاتی ہے، کتنے عجیب انداز سے فرمایا گیا ہے:

'' والحج المبرور لیس لہٗ جزاء إلا الجنۃ ''۔

ترجمہ:......''اور ''حج مبرور'' کا بدلہ تو بس جنت ہی ہے''۔

گویا ''حج مبرور'' ایک ایسی عالی شان عبادت ہے کہ بجز جنت کے اس کا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے!۔''حجِ مبرور'' جس کا بدلہ صرف جنت ہی ہوسکتی ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ اس میں گناہ کی آلودگی اور ریاکاری کا شائبہ نہ ہو، یعنی تمام سفرِ حج میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آدمی بچے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج کیا جائے، بلاشبہ اس شرط کا نبھانا بھی بہت مشکل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل ہی سے یہ مشکل مرحلہ طے ہوسکتا ہے۔

عشق ومحبت کا سفر

حج کی ظاہری صورت بھی عجیب وغریب ہے اور اس میں غضب کی جاذبیت ہے۔ قدم قدم پر عشق ومحبت کی پُربہار منزلیں طے ہوتی ہیں، سب سے بڑے دربار کی حاضری کا قصد ہے، دل میں دیارِ محبوب کی آرزوئیں مچلتی ہیں، سفر طویل ہے، حلال وطیب توشۂ سفر کا اہتمام کیا جارہا ہے، نیک اور صالح رفیق کی تلاش ہورہی ہے، چشم پُرنم کے ساتھ عزیز واقارب سے رخصت ہورہے ہیں، لیکن

دین کا حساب بے باق کیا جا رہا ہے، حق حقوق کی معافی طلب کی جا رہی ہے، کوشش یہ ہے کہ اس دربار میں حاضر ہوں تو کسی کا معمولی حق بھی گردن پر نہ ہو۔ لیجئے! روانگی کا وقت آیا، غسل کر لیجئے اور دو سفید نئی چادریں پہن لیجئے، گویا انسان خود اپنے ارادہ و اختیار سے سفرِ آخرت پر روانہ ہو رہا ہے، پہلے غسل سے بدن کے ظاہری میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور پھر کفن کی چادریں اوڑھ کر دوگانۂ احرام ادا کرتا ہے، اس طرح گویا توبہ وانابت سے دل کے میل کچیل سے اپنے باطن کو پاک صاف کرتا ہے اور ظاہری و باطنی نظافت کے ساتھ شاہی دربار میں نذرانۂ عشق ومحبت پیش کرنے کا عہد کرلیتا ہے۔ ارحم الراحمین نے دعوت دے کر بلایا ہے اور شاہی دربار سے بلاوا آیا ہے، یہ فوراً ''بیت اللہ الحرام'' کے شوقِ دیدار میں اس دعوت پر''لبیک اللّٰھم لبیک ''(میں حاضر ہوں، اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں) کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مستانہ وار سوئے منزل روانہ ہوجاتا ہے۔

یہ اس والہانہ وعاشقانہ عبادت کی ابتدا ہے، زیب وزینت کے تمام مظاہر ختم، راحت و آسائش کے تمام تقاضے فراموش، نہ سر پر ٹوپی، نہ پاؤں میں ڈھب کا جوتا، نہ بدن پر ڈھنگ کا کپڑا، دیوانہ وار رواں دواں منازلِ عشق طے کرتا ہوا جا رہا ہے، دیارِ محبوب کی دھن میں بادہ پیمائی ہو رہی ہے:

در بیابانہا ز شوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

پہنچتے ہی مرکزِ تجلیات (کعبہ) پر نظر پڑی تو بے ساختہ دارِ محبوب کا طواف کرتا ہے، بار بار چکر لگاتا ہے، حجرِ اسود جو'' یمین اللّٰہ فی الأرض'' کی حیثیت رکھتا ہے، اس کو چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے، ملتزم سے چمٹتا ہے، زاروقطار روتا ہے، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے:

نازم بچشمِ خود کہ روئے تو دیدہ است
رفتم بپائے خویش کہ بکویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ زنم من دستِ خویش را
کہ بدامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس بے خود عاشقِ زار کو جو قلبِ تپاں اور جگرِ سوزاں لے کر آیا تھا، پہلی مہمانی کے طور پر ''آبِ زمزم'' کا تحفۂ شیریں پیش کیا جاتا ہے، جس سے تسکینِ قلب بھی ہوگی اور جگر کی پیاس بھی بجھے گی اور حکم ہوتا ہے کہ جتنا پانی پیا جاسکے پی لے، خوب دل ٹھنڈا کرلے، کوئی کسر نہ چھوڑ، یہاں سے فارغ ہوکر صفا ومروہ کے درمیان چکر لگاتا ہے، پھر منیٰ پہنچتا ہے، پھر اس کے آگے عرفات کا رخ کرتا ہے، آج وادئ عرفات سچ مچ ہنگامۂ محشر کا منظر پیش کر رہی ہے، حیرت انگیز اجتماع ہے، رنگا رنگ مختلف شکلیں، مختلف زبانیں، بوقلموں مناظر، یہ سب رب العالمین کے دربارِ قدس کے مہمان ہیں، یہ

شاہی دربار میں عبدیت و بندگی، ضعف و بے کسی، عجز و درماندگی اور ذلت و مسکنت کا نذرانہ پیش کریں گے اور رضا و مغفرت، فضل و احسان اور انعام و اکرام کے گوہر مقصود سے جھولیاں بھر کر لے جائیں گے، اپنے لیے، اپنے اعزہ و اقارب اور دوست احباب کے لیے آج جو کچھ مانگیں گے نقد ملے گا، زوال ہوا تو ہر چہار طرف سے آہ و بکا کا شور برپا ہوا، اس کی آواز بھی اس حیرت انگیز طوفانِ گریہ وزاری میں ڈوب گئی، شام تک کا سارا وقت اسی عالم تحیر میں گزارتا ہے، کبھی خوب رو رو کر مانگتا ہے، کبھی ''**لبیک اللّٰھم لبیک**'' کا نعرہ لگاتا ہے، کبھی تکبیر کی گونج سے زمزمہ آراء ہوتا، کبھی تہلیل سے نغمہ سرا ہوتا ہے، کبھی **لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ** سے وحدانیت و ربوبیت کی صدائیں بلند کرتا ہے، عابد و معبود کا یہ تعلق کتنا دل ربا ہے؟ اور بندگی و سرافگندگی کا یہ منظر کس قدر حیرت افزا ہے؟

آفتاب غروب ہوا اور اس دشت پیمانے بوریا بستر باندھ مزدلفہ کا رُخ کیا، شب بیداری وہاں ہوگی، مغرب وعشا کی نماز وہاں پڑھی جائے گی، اظہارِ آداب بندگی میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے تو وہاں نکالی جائے گی، کبھی رکوع وسجود ہے، کبھی وقوف و قیام ہے، کبھی تہلیل و تکبیر ہے، کبھی تسبیح و تلبیہ ہے، گریہ وزاری، دعا و مناجات اور تضرع و ابتہال کا نصاب پورا ہوا تو کامیابی و کامرانی کی نعمت سے سرشار ہو کر وہاں سے منیٰ کو چلا، دشمنِ انسانیت، عدو مبین، راندۂ بارگاہ ابلیس لعین کی سرکوبی کے لیے جمرہ کی رمی کی، خلیل و ذبیح (علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام) کی سنتِ قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دی اور رضائے محبوب کے لیے جان و مال کے ایثار و قربانی کا عہد تازہ کرلیا، وہاں سے بارگاہِ قدس کے مرکزِ انوار کی زیارت کو چلا اور طوافِ کعبہ کے انوار و برکات سے دیدہ و دل کی تسکین کا سامان کیا۔

الغرض اس عاشقانہ و والہانہ عبادت میں دیوانہ وار ایثار و قربانی اور عبدیت وفنائیت کا ریکارڈ قائم کرلیتا ہے اور تجلیاتِ ربانی کے انوار و برکات سے سراپا نور بن جاتا ہے اور رحمت و رضوان کے تحفوں سے مالا مال ہو کر اور استحقاقِ جنت کی آخری سند لے کر اپنے وطن کو واپس لوٹتا ہے، اس طرح بندہ بندگی کا ثبوت دے کر جنت و رضوانِ الٰہی کی نعمتوں سے سرفرازی کے تمغے وصول کرلیتا ہے ''**والحج المبرور لیس لہ جزاء إلا الجنۃ**'' کے آخری انعام سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ دیکھئے! کس انداز سے عشق و محبت کی منزلیں طے کی گئیں اور کس کس طرح شاباشوں سے نوازا گیا، یہ اس عاشقانہ و عارفانہ عبادت کا بہت ہی مختصر سا نقشہ ہے۔

سفرِ عشق میں امتحان

ظاہر ہے کہ مقصد بہت ہی اعلیٰ ہے، اس لیے کبھی کبھی اس مقصد کے حصول کے لیے امتحان بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ مدتوں کے جمے ہوئے تہ بر تہ زنگ و غبار کو دور کرنے کے لیے شدید تنقیہ کی

ضرورت پڑتی ہے، کبھی جان پر امتحان آتا ہے، کبھی مال پر، کبھی رفقاء سے تنہا کراکر تڑپایا جاتا ہے، کبھی پٹوا کر رُلایا جاتا ہے، کبھی ہر آسائش وراحت چھین کر آخرت کی آسائش وراحت کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ بہرحال یہ راز سربستہ کسی کے بس کی بات نہیں، شانِ ربوبیت کے کریمانہ کرشمے ہیں، شانِ صمدیت کا ظہور اور ارحم الراحمین کی رحمتِ خفیہ کے شیون ہیں، رحمتِ الٰہی کا ظہور کبھی بصورتِ رحمت ہوتا ہے، کبھی بشکلِ زحمت، کسی کو چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ عارفین جو دریائے معرفت کے غوطہ زن ہیں، وہ بھی سرِ حیرت جھکا کر خاموش ہیں، صبر آزما امتحان لیا جاتا ہے، کبھی جوع وخوف سے، کبھی انفس واموال زیرِ امتحان ہوتے ہیں، رضا بالقضاء کے لیے مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور مہربانی اور شاباش کی بارش ہوتی اور آخر میں جنت کی سند مل جاتی ہے اور ''**الحج المبرور لیس له جزاء إلا الجنة**'' کا تحفہ عطا کیا جاتا ہے، بلاشبہ عبدیت کا ظہور اور شانِ عشق ومحبت کا مظاہرہ جس طرح حج بیت اللہ الحرام میں ہوتا ہے، کسی اور عبادت میں نہیں ہوتا۔

امسال سالِ گزشتہ یا گزشتہ سالوں کی بہ نسبت بے حد ہجوم تھا اور تقریباً نصف ملین (۵،۰۰،۰۰۰) خدا کی مخلوق زیادہ پہنچ گئی تھی، محدود مقامات اور محدود انتظامات میں غیر محدود مخلوق کا انتظام درہم برہم ہوگیا تھا، قیام وطعام کی دشواریاں تھیں، ٹریفک اور مواصلات کا نظام تقریباً بس سے باہر تھا، ایک ترکی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی، جن کی دیوہیکل بسوں نے تمام حجاج کرام کو بے بس بنادیا تھا، سڑکیں بند، راستے مشغول، شاہ فیصل کے عہدِ مبارک کے شاہانہ انتظامات نے بھی عجز وتقصیر کا اعتراف کیا، اگرچہ قدم قدم پر حق تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کرم فرماتھی اور شاہ فیصل کے عہد کی برکات بالکل ظاہر وباہر تھیں، لیکن پھر بھی حکومتوں کا حج پر کنٹرول کرکے حجاج کے کوٹے مقرر کرکے تحدید کرنے کی مصلحتیں وحکمتیں تکوینی طرز پر واضح ہوگئیں، اس سلسلہ میں چند باتیں اور گزارشات ضروری خیال کرتا ہوں۔

حجاج کے لیے چند ضروری ہدایات

۱:......عورتوں اور مردوں کا ناگفتہ بہ اختلاط طوافوں میں، نمازوں میں اور سلام کی حاضری میں غیر شرعی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ عورتوں کے طواف کے لیے رات یا دن میں کوئی وقت مخصوص کرلیا جائے اور اس طرح سلام کی حاضری کے لیے بھی وقت مخصوص ہو، ان اوقات میں مردوں کو طواف یا حاضری سے روکا جائے۔

۲:......نہ تو عورتوں پر جماعت کی پابندی ہے، نہ مسجد کی حاضری کی فضیلت ہے، نہ نمازِ جمعہ ان پر فرض ہے، اس لیے عورتیں گھر میں نماز پڑھا کریں اور اسی طرح جمعہ میں عورتوں کی حاضری روکی جائے، موجودہ صورتِ حال نہ شرعاً درست ہے، نہ عقلاً قابل برداشت ہے۔

۳:......رمی جمرات کے لیے عورتیں رات کو جایا کریں، جس طرح بوڑھوں اور مریضوں کے لیے بھی یہی وقت مناسب ہے، بلا شبہ بغیر عذر کے یہ خلافِ سنت ہے، لیکن موجودہ صورتِ حال میں ان شاء اللہ! کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

۴:......تمام حضرات جو حجِ بیت اللہ الحرام کا ارادہ کریں تمام مسائل یاد کر کے آئیں، فرائض و واجبات کا اہتمام بہت ضروری ہے، بسا اوقات یہ دیکھا گیا کہ لوگ فرائض و واجبات میں تقصیر کرتے ہیں اور فضائل و مستحبات کا اہتمام ہوتا ہے۔

اس وقت جو صورتِ حال ہے قانونی و فقہی احکام کے پیشِ نظر تو یہ امید رکھنا بہت مشکل ہے کہ یہ عبادت صحیح ادا ہوئی یا یہ حجِ مبرور ہوگا، صحیح طواف کیسے ہو؟ اور اس میں کیا کیا باریکیاں ہیں؟ اگر ایک قدم طواف کا ایسا ادا ہو کہ بیت اللہ کی طرف سینہ ہو جائے تو سارا طواف بیکار ہو گیا، اگر شروع کرنے میں حجرِ اسود سے تقدم ہو گیا تو طواف میں نقصان آجاتا ہے، اگر ایک انچ ہٹ کر طواف شروع کیا تو سرے سے طواف ہوا ہی نہیں، خاص کر ازدحام و ہجوم میں صحیح طواف کرنا بے حد دشوار مرحلہ ہے۔ عورتیں مردوں کے درمیان کھڑی ہو جاتی ہیں، ایک عورت اگر صف میں مردوں کے درمیان کھڑی ہو گئی تو تین مردوں کی نماز غارت ہو گئی: جو شخص دائیں ہو، جو بائیں ہو، جو اس کی سیدھ میں پیچھے ہو، اگر ایک ہزار عورتیں اس طرح صفوں کے درمیان ہیں تو تین ہزار مردوں کی نماز فاسد ہو گئی، دورانِ سفر بہت سی نمازیں قضا ہو جاتی ہیں، اگر فرض نماز قضا ہو گئی تو حج مبرور کی توقع رکھنا مشکل ہے۔ الغرض اس طرح دسیوں مسائل ہیں کہ جن سے عوام تو کیا علماء بھی غافل ہیں۔ ''رمی جمرات'' میں معمولی عذر پر دوسروں کو وکیل بنایا جاتا ہے، اس طرح وہ توکیل صحیح نہیں ہوتی، دم لازم آجاتا ہے۔

غور کرنے سے محسوس ہوا کہ جہاں تک مسائل و احکام کا تعلق ہے، مشکل سے یہ کہا جائے گا کہ یہ حج صحیح ادا ہو گیا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ کاملہ کے پیشِ نظر کوئی بعید نہیں کہ اگر نیت صحیح ہو اور جذبہ سچا ہو تو تمام کوتاہیاں اور قانونی فروگزاشتیں سب معاف ہوں اور ارحم الراحمین کی رحمتِ عامہ سے یہی امید ہے کہ اپنے گنہگار بندوں کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اپنی رحمت و نعمت سے نوازے اور نہ معلوم کس کی کونسی ادا قبول ہو جائے اور کیا کچھ خزانۂ رحمت سے ملے اور بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ کاملہ کی موسلا دھار بارش میں کوئی بدنصیب ہی محروم رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ چند مقبولینِ بارگاہ کے طفیل سب کا حج قبول ہو، اس کی شانِ کریمی کے سامنے سب کچھ آسان ہے، کاش! اگر حق تعالیٰ کی اتنی مخلوق قانون کے مطابق جذباتِ صادقہ سے والہانہ انداز سے یہ فریضہ ادا کرتی تو امت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور تمام عالم میں ان نمائندگانِ بارگاہِ قدس کا فیض جاری ہوتا، جس حریمِ قدس کو ان شاندار کلمات سے وحی ربانی میں یاد کیا ہو:

''إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيَاتٌ

بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا''۔ (آل عمران:۹۶،۹۷)

ان آیاتِ بینات اوران برکات وتجلیات کا کیا ٹھکانا؟ بہرحال کہنا یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ قانون کی رو سے بھی صحیح حج ہواورنیت وجذبہ بھی سچا ہواورقدم قدم پر تقصیر کا احساس ہواور یہ تصور مستمر قائم ہو کہ اس حریم قدس میں حاضری کے آداب کی اہلیت کہاں؟ ہم جیسے ناپاکوں کو اس سرزمین میں حاضری کی دعوت دی گئی اور پہنچ گئے۔ یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا عظیم احسان ہے کہ اس مقدس زمین اور بقعۂ نور میں سراپا ظلمات والے کو جگہ عطا فرمادی، توقع ہے کہ اس احساس سے بارگاہِ قدس میں شرفِ قبولیت نصیب ہو۔

یہ جو کچھ بیت اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ بہت سطحی حقائق کے درجہ میں بات عرض کی گئی، ورنہ جو حقائق واسرار' عارفین وکبارِصوفیاء کرام، شیخ اکبرؒ، امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ، حضرت شیخ سید آدم بنوریؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعاً نے بیان فرمائے ہیں، وہ''بینات'' کے دائرۂ بیان سے بالاتر ہیں۔ راقم الحروف نے اپنے رسالہ''**بغية الأريب فی مسائل القبلة والمحاريب** ''کے آخر میں کچھ تھوڑا سا حصہ بیان کیا ہے۔ بہرحال کعبۃ اللہ اس مادی کائنات میں''شعائر اللہ'' میں داخل ہے۔ نماز میں اگر حق تعالیٰ شانہٗ سے مناجات وہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو حج میں حق تعالیٰ کے گھر میں مہمانی کا شرف ومجد حاصل ہے، جب ہم کلامی کی عظمت بیت الحرام میں نصیب ہواور دونوں عظمتیں جمع ہوجائیں تو جو کچھ بھی اس کا درجہ ہوگا، تصور وخیال سے بالاتر ہے:

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ وہ مقام ہے کہ انتہائی تعظیم وادب کی ضرورت ہے، لیکن آج کل ہماری غفلت وجہالت سے جو صورت حال ہے، وہ ظاہر ہے۔ افسوس یہ کہ ہماری تمام عبادات کی صرف صورت رہ گئی، روح نکل گئی ہے۔ تمام عبادات بے جان لاشے ہیں، اگر ان میں جان ہوتی تو آج امت محمدیہ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، حق تعالیٰ کی رحمت ہے اور اسلام کا حکیمانہ نظام ہے کہ مساجد بھی بیوت اللہ ہیں ''**وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا** '' مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں، ان میں صرف اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہیے، آخری سب سے بڑا مرکزی گھر وہ مسجد حرام وہ بیت الحرام ہے، جس سے عالم میں بجز اس مقام کے جہاں حضرت سید الکونین ﷺ آرام فرمارہے ہیں، کوئی مقدس قطعہ نہیں، جہاں پر حق تعالیٰ کی طرف سے انوار کی موسلا دھار بارش برستی ہے، فرشتے طواف کے لیے آسمانوں سے اترتے ہیں۔ حق تعالیٰ مسلمانوں اور حجاج کرام کو توفیق نصیب فرمائے کہ اس مقام کی صحیح معرفت نصیب ہو، بقدرِ طاقت بشری حق ادا کرسکیں۔

مسجدِ اقصیٰ کی تولیت اور عمار خان ناصر صاحب کی تحریرات

(تفصیلی وتنقیدی جائزہ) (دوسری قسط)

مولانا سمیع اللہ سعدی

اہل کتاب کے مقاماتِ مقدسہ میں داخل ہونے کے جواز وعدمِ جواز کی بحث

اس کے علاوہ اس عنوان کے تحت آنجناب نے ایک لمبی بحث کی ہے، جس میں مشرکین واہلِ کتاب کے مساجد اور مقاماتِ مقدسہ میں داخل ہونے کے جواز وعدمِ جواز کی بحث فقہاء کے مذاہب کی روشنی میں کی ہے۔ کیا حقِ تولیت اور کسی مقام میں داخل ہونے کی اجازت کا مفہوم ایک ہے؟ تعجب ہے کہ اس مقام پر آنجناب نے اس حوالے سے فقہاء کے مذاہب اور ''إنما المشرکون'' والی آیت کے عموم وخصوص میں مفسرین کے اختلافات تو تفصیل سے بیان کیے، لیکن مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے اثبات ونفی پر کوئی ایک دلیل نہیں دی۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت کی ہے کہ حنفیہ کے ہاں مسجدِ اقصیٰ میں اہلِ کتاب کے داخل نہ ہونے کے حوالے سے کوئی نص نہیں ہے۔ کیا اس سے اہل کتاب کی تولیت ثابت ہوگئی؟ نیز جس جزیے سے آنجناب نے حقِ تولیت کو اہلِ کتاب کے لیے ثابت ہونے کے بارے میں استدلال کیا ہے، اُسے لطیفہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ آنجناب کا ''کمال'' ہے کہ یہود کے لیے حقِ تولیت کے اثبات کے لیے تو فقط ''جزئیات'' سے استدلال کریں، لیکن امتِ مسلمہ کے لیے اسے ثابت کرنے کے لیے دوٹوک اور واضح نص کا مطالبہ کریں۔ اور جزئیات بھی ایسی ہیں جو کسی اور سیاق میں بیان ہوئی ہیں اور شاید ان کے واضعین کے حاشیہ وخیال میں بھی یہ بات نہ ہو کہ کوئی ''ذہین وفطین'' ان جزئیات سے یہود کے لیے مسجدِ اقصیٰ کی تولیت ثابت کرے گا اور مزید یہ کہ ان واضعین کا موقف بھی یہ ہو کہ مسجدِ اقصیٰ کی تولیت امتِ مسلمہ کا حق ہے، کیونکہ مسجدِ اقصیٰ پر یہود کے حقِ تولیت کی بقا امتِ مسلمہ میں آنجناب کے علاوہ کسی کا مسلک نہیں ہے۔ جس جزئی پر آنجناب نے استدلال کی عمارت کھڑی کی ہے، اس میں صرف اتنی بات بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی ذمی مسجدِ اقصیٰ کے لیے کوئی چیز وقف کرے تو اس کا یہ وقف درست ہوگا یا نہیں؟ تو فقہاء نے لکھا ہے کہ چونکہ اہل کتاب کے ہاں بھی مسجدِ اقصیٰ محترم ہے، اس لیے وقف کے بنیادی اصول کے مطابق ان کا یہ وقف درست سمجھا جائے گا۔ اب قارئین بتائیں کہ اس سے

ان کی تولیت کیسے ثابت ہوتی ہے؟ آنجناب نے اس سے یہ ''نتائج'' اخذ کیے ہیں:

نتیجہ نمبر:۱

اس جزیئے سے ثابت ہوا کہ فقہاء مسجدِ اقصیٰ کو اہل کتاب اور مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ مانتے ہیں (تعجب ہے کہ فقہاء جب اس کو اہل کتاب کی بھی عبادت گاہ مانتے ہیں تو اس کے لیے فقہاء نے اس جزیئے کے علاوہ پوری فقہ اسلامی میں اور کوئی حکم بیان نہیں کیا ہے! کہ اہل کتاب کو اپنی اس عبادت گاہ میں وقف کے علاوہ اور کون کون سے اختیارات حاصل ہیں؟)

نتیجہ نمبر:۲

اشتراک سے ثابت ہوا کہ ان کا حقِ تولیت بھی باقی ہے، کیونکہ تولیت کو ماننے بغیر اشتراک کا تصور نہیں ہوسکتا۔

(تعجب ہے کہ ایک وقف کے دو متولی کیسے ہوں گے؟ خصوصاً جبکہ ان کی ملتیں بھی مختلف ہوں۔ ہر متولی جب اس کو اپنے دین کے مطابق استعمال کرنا چاہے گا تو اس کا حشر کیا ہوگا؟ آنجناب بتائیں! اور اگر اس سے صرف اہل کتاب کی تولیت ثابت ہوتی ہے، تو عجیب تضاد ہے کہ اہل کتاب کا وقف درست ہونا تو ان کی تولیت کی دلیل ہے اور مسلمان کا وقف درست ہونا اس کی تولیت کی دلیل بالکل نہیں ہے؟ یاللعجب) قارئین اس سے جناب عمار صاحب کے استدلال کی ''مضبوطی'' کا اندازہ لگائیں۔

۴: ...... بحث چہارم

اس طرح کی ''لاحاصل'' بحث کے بعد آنجناب نے عنوان باندھا ہے ''مسلمانوں کے حقِ تولیت کے شرعی دلائل کا جائزہ'' اس عنوان کے بعد آنجناب نے یہ عبارت رقم کی ہے:

> ''ہم اوپر تفصیل کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے منسوخ ہونے کا کوئی اشارہ تک قرآن وسنت اور کلاسیکل فقہی لٹریچر میں نہیں ملتا''۔

جناب عمار صاحب کا ''کمال'' ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے بیت المقدس میں تمام انبیاءؑ کا امام بنا کر نماز پڑھوائی، آپ ﷺ کے لیے مخصوص مدت کے لیے قبلہ بنایا، آپ ﷺ نے مسجدِ اقصیٰ کے لیے سفر کو باعثِ ثواب قرار دیا، اس میں ''نماز'' پڑھنے کی ترغیب دی، مسجدِ اقصیٰ کو ان بقعات میں شمار کیا جس میں دجال (یہود کا سربراہ) داخل نہیں ہو سکے گا۔(۱) (اور جناب عمار صاحب دجال کے متبعین کو یہ مقدس مقام دینے پر زور دے رہے ہیں) اور قربِ قیامت میں مومنین کے اس میں (یہود کے مرکزِ عبادت میں) محصور ہونے کی پیشین گوئی فرمائی (۲) فقہاء نے اس میں (یہود کی عبادت گاہ میں) اعتکاف کے احکامات بیان کیے۔(۳) مسجدِ اقصیٰ اور حرمین شریفین میں افضلیت کی بحثیں کیں (۴) حضرت عمرؓ نے اس

کو فتح کر کے اس میں نماز پڑھی، حالانکہ آپؓ نے دیگر عبادت گاہوں میں ان کی درخواست کے باوجود نماز نہیں پڑھی، وہاں مسجد بنوائی۔ (۵) (یہود کے مرکزِ عبادت میں مسجد بنوانا؟ یاللعجب) اس فتح کے بعد صدیوں تک اس کی تولیت مسلمانوں کے پاس رہی، پھر جب عیسائیوں نے اس پر قبضہ کیا تو ''یہود کے مرکزِ عبادت'' کے لیے امتِ مسلمہ نے جانیں دیں، اور یہود در پردہ عیسائیوں کی مدد کرتے رہے۔ ان سب کے باوجود آنجناب کا ''دعویٰ'' ہے کہ نصوص میں امتِ مسلمہ کی تولیت کا ''اشارہ'' تک نہیں ہے۔ ہم آنجناب سے پوچھتے ہیں کہ ان تمام مواقع پر اللہ تعالیٰ، نبی پاک ﷺ، اور امتِ مسلمہ کے علماء وفقہاء نے یہ ضرورت کیوں محسوس نہیں کی کہ کہیں امت مسلمہ اس عبادت گاہ پر ''قبضہ'' نہ کرلے اور ''استحقاق کی نفسیات سے مغلوب'' نہ ہو جائے، اس لیے ساتھ اس کی بھی وضاحت کر دی جائے کہ یہود کا حقِ تولیت منسوخ نہیں ہوا، اس لیے ان کو بنیاد بنا کر اس عبادت گا پر قابض نہ ہو جاؤ۔ کیا آنجناب یہود کے حقِ تولیت کے باقی رہنے اور منسوخ نہ ہونے پر کوئی واضح دلیل دے سکتے ہیں؟

آنجناب کے استدلال کا ''عالم'' تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ یہود کا حق تولیت باقی ہے اور استدلال اس بات سے کر رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک خاص جگہ صخرہ سے ہٹ کر نماز پڑھی (حالانکہ اس کی اصل وجہ کتبِ تاریخ میں منقول ہے) مسجدِ اقصیٰ کی اصل بنیادوں کو تلاش نہیں کیا، معلوم ہوا کہ یہود کا حقِ تولیت باقی ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر مختلف ارشادات فرمائے، حضرت کعب احبارؒ سے استفسارات کیے، لیکن یہود کے حقِ تولیت کے بارے میں ایک جملہ بھی ارشاد نہیں فرمایا اور ایک خاص جگہ پر نماز پڑھ کر امت پر چھوڑ دیا کہ خود ''استنباط'' کرلو کہ یہود کا حق باقی ہے (اگر چہ حقِ تولیت کے لیے ''صریح دلیل'' کی ضرورت ہے، یاللعجب)

اپنے ''دلائل'' کا تو یہ عالم ہے، لیکن واضح نصوص کو رد کر کے کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس اشارہ تک نہیں۔ کیا علمی دنیا میں ''غیر جانبدارانہ تحقیق'' اسی کا نام ہے؟ صاف واضح ہے کہ آنجناب یہودیوں کا ''تاریخی و مذہبی حق'' تسلیم کر کے اس کے لیے ''مواد'' اکٹھا کر رہے ہیں۔

آنجناب کے تعقبات واعتراضات کا اجمالی جواب

آنجناب نے اپنے ''زعم'' کے مطابق مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے ''دلائل'' پر اعتراضات وارد کیے کہ ان دلائل سے یہود کا حقِ تولیت کو منسوخ کرنا درست نہیں ہے، ان تمام تعقبات کی بنیاد دو باتوں پر ہے:

پہلی بات:

آنجناب نے جو خود ساختہ مقدمہ اپنے مضمون کی ابتدا میں ''تراشا'' تھا کہ کسی مذہب کی عبادت گاہ کی تولیت لینے کے لیے کسی واضح نص کی ضرورت ہے، اس بنیاد پر آنجناب نے تقریباً تمام دلائل کو اجمالاً رد کر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی صریح نہیں ہے۔ اس مقدمے کی حقیقت ہم ماقبل میں واضح کر چکے

ہیں کہ اس کی جملہ شقیں آنجناب کی ''ایجاد'' ہیں۔ نیز مسجدِ اقصیٰ پر یہ تعریف ہی صادق نہیں آتی کہ وہ محض کسی خاص مذہب کا ''مرکزِ عبادت'' ہے، بلکہ یہ تو دنیا کے ان مقدس مقامات میں سے ہے، جن کی تولیت کے بارے میں تمام ادیان کے بارے میں یہ ضابطہ چلا آرہا ہے کہ وہ ہر زمانے کے اہلِ حق کو ملتے ہیں۔

دوسری بات:

آنجناب کے ان تمام اعتراضات میں ایک بنیادی ''غلطی'' یہ ہے کہ آنجناب نے ان تمام واقعات اور نصوص کو یہود کے حقِ تولیت کی منسوخی کے ''دلائل'' قرار دیا اور انہیں باقاعدہ ''دلائل'' اور ''اعلانات'' فرض کر کے ان پر اعتراضات کی ایک لمبی فہرست تیار کر لی، حالانکہ یہ واقعات ونصوص سرے سے دلائل کے ''زمرے'' میں ہی نہیں آتے، بلکہ یہ تو امتِ مسلمہ کو اس مقدس مقام کی تولیت ملنے کے'' مظاہر'' اس حق کے ''نتائج'' اور اس کے ''ثمرات'' ہیں۔ حقِ تولیت کی دلیل تو دنیا کے ان چند مقدس مقامات کے بارے میں وہ ''سنت اللہ'' اور تمام ادیانِ سماویہ میں مسلَّم ''اللہ تعالیٰ کا وہ قانون'' ہے، جس کی وضاحت ہم بار بار کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری پوری علمی تاریخ میں مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے بارے میں ''دلائل'' بیان کرنے کا یہ طرز نظر نہیں آتا۔ کتبِ تفسیر، کتبِ حدیث، اور کتبِ فقہ کے اس پورے ذخیرے میں ان مقاماتِ مقدسہ کے دلائل تو کجا یہ مسئلہ ہی بیان نہیں ہوا، حالانکہ ان کتب میں ہر چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بالتفصیل بیان ہوا ہے۔ آنجناب نے چونکہ مسجدِ حرام کی تولیت کو بھی ''صریح دلیل'' کا نتیجہ قرار دیا ہے، ہم آنجناب سے ایک سوال کرتے ہیں کہ وہ مسجدِ حرام کی تولیت کے ''دلائل'' اور اس ''مسئلے'' کی نشاندہی تفسیر، حدیث وشروحِ حدیث اور فقہ اسلامی کے چاروں مکاتب کی کتبِ فقہ میں سے کسی ایک قدیم کتاب میں کر دیں، تو ہم آنجناب کے ممنون ہوں گے۔ تعجب کی بات ہے کہ سورۂ براءت کی جن آیتوں کو آنجناب نے مسجدِ حرام کی تولیت کی ''دلیل'' بنایا، اس کے تحت بھی مفسرین نے اس مسئلے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

واقعۂ اسراء اور سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات

اسلامی تاریخ میں اسراء ومعراج کا واقعہ مختلف وجوہات کی بنا پر ایک ممتاز واقعہ ہے، اس تاریخی واقعے کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات میں بیان کیا۔ یہ واقعہ بے شمار حکم و مصالح اور اسرار ورموز پر مشتمل ہے۔ یہ یادگار معجزہ اور اس کو بیان کرنے کے لیے مذکورہ سورت کی ابتدائی آیات درج ذیل وجوہ سے اس بات کا سب سے بڑا مظہر ہیں کہ حرمین کے بعد دنیا کے مقدس ترین مقام مسجدِ اقصیٰ کی تولیت خیر الامم کے پاس ہے۔ پہلے ان وجوہات کا ذکر کرتے ہیں، پھر آنجناب کے ''اعتراضات'' پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

وجہ نمبر:۱......اس واقعے میں آپ ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ کا سفر کرانا اور وہاں انبیاءؑ کی امامت کا

تاج آپ ﷺ کے سر پر رکھنا اس بات کا مظہر ہے کہ اس گھر میں جہاں یہ نبی امام ہے، وہاں ان کو ماننے والی امت بھی باقی ملتوں کی امام اور اس مقدس گھر کی تولیت کی ذمہ دار ہے۔

وجہ نمبر:۲......مسجدِ اقصیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نشانیوں میں شمار کیا، اس سے اس مقام کی اہمیت، فضیلت، تقدس اور آفاقیت خود بخود آشکارا ہوتی ہے۔ اس سے آنجناب کے اس ''مفروضے'' کی تردید ہوتی ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کی حیثیت صرف ایک مذہب کے مرکزِ عبادت کی ہے۔ جب یہ ایک آفاقی مقدس مقام ہے تو اس کی تولیت ''سنت اللہ'' کے مطابق ہر زمانے کے اہلِ حق کو ملے گی۔

وجہ نمبر:۳......اس واقعے کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مقدس مقام سے یہود کی اپنے معاصی اور سرکشی کی بدولت دو بار جلاوطنی کا ذکر کیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان مقدس مقامات کے بارے میں اپنی اس خاص سنت کی طرف اشارہ کیا اور مفسرین کے نزدیک اس موقع پر اپنی خاص سنت کو ذکر کرنے کے دو بڑے مقصد ہیں:

۱:......مشرکینِ مکہ کو تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ مسجدِ حرام بھی اللہ کے انہی مقدس مقامات میں سے ہے، اس لیے اگر تم اپنے کفر وشرک سے باز نہ آئے، تو تم اللہ کی اٹل سنت کے مطابق اس گھر کی تولیت اور خدمت سے محروم کردیے جاؤ گے۔

۲:......مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے کہ اگر تم نے اللہ کی نافرمانی اختیار کرلی تو تم کو بھی اللہ مسجدِ اقصیٰ کی تولیت سے بطورِ سزا اسی طرح محروم کردے گا، جیسا کہ یہود کو اپنی نافرمانی کے نتیجے میں اللہ نے محروم کردیا۔ (۶)

وجہ نمبر:۴......اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ضابطے اور سنت کو ''صراحۃً'' بیان کیا، چنانچہ ان واقعات کے ذکر کے بعد فرمایا:

''عَسٰی رَبُّكُمْ أَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا''۔ (الاسراء:۸)

ترجمہ: ''عین ممکن ہے کہ (اب) تمہارا رب تم پر رحم کرے، لیکن اگر تم پھر وہی کام کروگے تو ہم پھر وہی کام کریں گے''۔

اس آیت کی تفسیر مفسرین نے یہ کی ہے کہ اس میں اللہ کی ''رحمت'' سے مراد آپ ﷺ کی بعثت ہے اور ''إن عدتم'' سے مراد پچھلے انبیاءؑ کی طرح آپ ﷺ کی تکذیب اور آپ ﷺ کو اسی طرح ستانا ہے، جیسا کہ اس ''مغضوب علیھم'' قوم نے اس سے پہلے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ستایا تھا۔ اور ''عدنا'' سے مراد تیسری مرتبہ اس گھر کی تولیت اور اس ارضِ مقدسہ سے اخراج ہے۔ گویا خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: دو بار جلاوطنی کے بعد اللہ تمہیں ایک موقع اور دیں گے اور آپ ﷺ کو مبعوث کریں گے، پھر اگر تم نے اسی خاتم الانبیاءؑ کو اسی طرح ستایا اور ان کی تکذیب کی جیسا کہ اس سے پہلے تم دو جلیل القدر پیغمبروں کے ساتھ کرچکے ہو تو ہم اپنے اصول کے مطابق تمہیں دوبارہ اس گھر کی تولیت سے محروم کردیں گے۔ امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’أی فعل ما لا ینبغی وھو التکذیب لمحمد ﷺ و کتمان ما ورد فی التوراۃ فعاد اللّٰہ علیھم التعذیب علی أیدی العرب‘‘۔ (۷)

امام طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

’’فعادوا فسلط اللّٰہ علیھم المؤمنین‘‘۔ (۸)

مفسر ابن ابی حاتمؒ نے امام ضحاکؒ سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

’’ کانت الرحمۃ التی وعدھم بعث محمد ﷺ ‘‘۔ (۹)

اس آیت کی یہی تفسیر حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں (۱۰) علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں (۱۱) امام قرطبیؒ نے تفسیر قرطبی میں (۱۲) امام بغویؒ نے معالم التنزیل میں (۱۳) امامِ اہل سنت امام ماتریدیؒ نے تاویلات اہل السنۃ میں (۱۴) اور دیگر تقریباً تمام متقدمین ومتاخرین نے بیان کی ہے۔

آنجناب نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ’’یہودی رہتے ہوئے‘‘ تم کو یہ گھر دوبارہ اللہ کی رحمت سے مل سکتا ہے، آنجناب کی یہ تفسیر ’تحریف‘‘ کہلانے کی زیادہ مستحق ہے۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ اس کی تائید خلف وسلف میں سے کسی ایک مفسر سے دکھادیں۔ نیز آیت کی یہ تفسیر کرنے سے تو خود اس کا اوپر والی آیت کے ساتھ کھلا تعارض لازم آتا ہے کہ عام ’’معاصی‘‘ پر تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گھر کی تولیت سے محروم کردیا، لیکن اللہ کے آخری پیغمبر کی تکذیب کے باوجود وہ اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں اور انہیں یہ گھر مل سکتا ہے۔ اپنے ذہنی ’’مقدمات‘‘ سے کتاب اللہ کی من مانی تفسیر کے نتیجے میں اس طرح کے ’’تضادات‘‘ اور ’’عجائبات‘‘ اچھنبے کی بات نہیں ہے۔ صرف جناب عمار صاحب ہی نہیں، بلکہ تمام متجددین، اپنی عقل کی بنیاد پر شریعت کے متفقہ مسائل پر ازسرِ نو ’’تحقیق‘‘ کرنے والوں اور سلف کے فہمِ دین کی تغلیط کرنے والوں کی تحریرات ’’ایسی ہی شاہکار‘‘ ہوتی ہیں۔

آنجناب کے ’’اعتراضات‘‘

آنجناب کے خودساختہ مقدمہ کے اعتبار سے حقِ تولیت کی منسوخی کے لیے چونکہ ’’صریح دلیل‘‘ کی ضرورت ہے اور یہ چونکہ صریح نہیں ہے، اس لیے آنجناب نے اس کو رد کردیا۔ دوسرا آنجناب نے کہا ہے کہ اس واقعے سے امتِ مسلمہ کی تولیت کی حکمت سلف میں کسی نے بیان نہیں کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً: شرعی احکام کی حکمتوں کے بیان کے لیے سلف کی پابندی کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، بشرطیکہ وہ دوسرے نصوص کے معارض نہ ہو اور یہ حکمت چونکہ معارض نہیں ہے، اس لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ثانیاً: مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کی بحث چونکہ آج کی ’’پیداوار‘‘ ہے، اس لیے زمانہ حال کے اکابر نے شرعی نصوص کے اس پہلو کو بھی اجاگر کیا، اس کی مثال یہ ہے کہ آج کے علماء قرآن کی بہت ساری آیتوں کو ختمِ نبوت کی دلیل بناتے ہیں، حالانکہ سلف میں کسی نے ان کو اس مسئلے کے لیے دلیل کے طور پر ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہی تھی کہ چونکہ

یہ مسئلہ یوں اٹھا نہیں تھا، اس لیے ان آیتوں کے اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا۔ اس کے علاوہ چونکہ آنجناب کے نزدیک یہ حق تولیت کی منسوخی کی ''باقاعدہ دلیل'' ہے، اس لیے آنجناب نے یہ نکات اٹھائے:

نکتہ:۱......مسجدِ حرام کی تولیت سے پہلے اس کی تولیت کیوں منسوخ کی؟ حالانکہ وہ بہرحال اس سے افضل اور اہم ہے۔ (حالانکہ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ تولیت کی منسوخی کے ''اعلانات'' نہیں ہیں، بلکہ تولیت کی منسوخی تو ''سنت اللہ'' کے نتیجے میں ہوگئی، یہ تو فقط اس کے مظاہر ہیں)

نکتہ:۲......مسجدِ حرام کی تولیت کو ''۹ھ'' میں ''صراحۃً'' بیان کیا، اس کو اشارۃً کیوں بیان کیا؟ (اس پر ہم تفصیل سے بحث کر چکے ہیں)

نکتہ:۳......اگر اسراء کے موقع پر ہی اس کی تولیت منسوخ ہوگئی تو تحویلِ قبلہ کے مقاصد میں سے بڑا مقصد تالیفِ یہود کیونکر حاصل ہوسکتا ہے؟ جبکہ ان کو اس پر تولیت کا حق ہی نہیں ہے۔ (اس پر بحث آگے کرتے ہیں)

تحویلِ قبلہ کا واقعہ

مسجدِ اقصیٰ پر امتِ مسلمہ کی تولیت کے مظاہر میں سے دوسرا بڑا مظہر تحویلِ قبلہ کا واقعہ ہے۔ نبی پاک ﷺ کی جو صفات پچھلی کتابوں میں بیان ہوئی تھیں، ان میں ایک صفت ''نبی القبلتین'' کا بھی ذکر تھا، چنانچہ اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سولہ سترہ مہینے امتِ مسلمہ کا قبلہ بیت المقدس کو بنایا (۱۵) اور خاص طور پر یہ حکم مدینہ منورہ میں اس لیے آیا تاکہ یہود کی تالیفِ قلب کا مقصد بھی حاصل ہو اور انہیں اسلام کے قریب لایا جائے۔ تحویلِ قبلہ سے ان کے اسلام کے قریب آنے کی دو وجہیں تھیں:

پہلی وجہ: چونکہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی ایک صفت ''نبی القبلتین'' کا بیان ہوا تھا، اس لیے جب آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے، تو انہیں اپنے صحف کی پیش گوئی سچی نظر آئے گی اور یوں یہود آپ ﷺ کو نبی ماننے پر آمادہ ہوسکتے تھے، جن کی خوشخبری اُن کی الہامی کتب میں بار بار بیان ہوئی تھی۔

دوسری وجہ: عمومی طور پر یہود کا گمان تھا کہ ''نبی مبشر'' ان میں سے ہوگا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ نبی تو بنی اسماعیل میں سے آیا تو انہیں مختلف وجوہ کی بنا پر آپ ﷺ کو ماننے میں تامل ہوا اور وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، تو اس موقع پر تحویلِ قبلہ کا حکم آیا، تاکہ انہیں اس بات کا اندازہ ہو کہ یہ پیغمبر اگرچہ بنی اسماعیل میں سے ہے، لیکن پچھلے انبیاءؑ کے تبرکات اور مقدس مقامات کا احترام بھی ان کے مشن کا مقصد ہے۔ گویا یہ نبی ایک اعتبار سے سابقہ انبیاءؑ کے مشن کی تکمیل ہی کے لیے آیا ہے۔ اس طرح سے ان کا وہ بغض کافی حد تک کم ہوسکتا تھا، جس کا وہ ہر موقع پر اظہار کرتے تھے اور وہ مشرکین کی بجائے مسلمانوں کے قریب ہوسکتے تھے اور یہی اس حکم کے مقاصد

میں سے ایک مقصد تھا۔ اب اس حکم کی مختلف حیثیتیں ہوگئیں۔

۱:......آپ ﷺ کو نبی القبلتین کا تاج پہنانا کہ دنیا کے دو مقدس گھر جو پہلے انبیاءؑ میں تقسیم ہوئے تھے، اب یہ آخری نبی ﷺ ان دونوں گھروں کے وارث اور والی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے، جو گزشتہ تمام انبیاءؑ میں سے کسی کو نہیں ملی تھی۔ اور اس کے ضمن میں اس امت کی فضیلت اور اس کا خیر الامم ہونا بالکل واضح ہے کہ دنیا کے دو مقدس گھر اس امت کے لیے اللہ نے قبلہ بنائے اور انہیں ان دونوں کا ذمہ دار بنایا، حالانکہ اس سے پہلے یہ خصوصیت کسی امت کو نہیں ملی تھی، چنانچہ اس واقعے کے نتیجے میں اس امت کا خیر الامم کے منصب پر فائز ہونا اللہ تعالیٰ نے ''صراحۃً'' بیان کیا:

''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا ''۔ (البقرۃ:۱۴۲)

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا''۔

''وسطاً'' کا ایک مطلب مفسرین نے جہاں معتدل اور افراط وتفریط سے پاک بیان کیا ہے، وہاں اس کا مطلب ''خیــــر'' یعنی بہترین بھی بیان کیا ہے۔ امام رازیؒ وعلامہ زمخشری نے اس دوسرے مطلب کو مختلف وجوہ کی بنا پر راجح قرار دیا، کیونکہ خیر کے اندر اعتدال والا معنی خود بخود آ گیا۔ (۱۶)

۲:......اس واقعے سے یہود کو اسلام کے قریب کرنا تھا، مذکورہ واقعے سے تالیفِ یہود کا مقصد کیونکر حاصل ہوا، اس کو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔

۳:......کمزور ایمان والے مسلمانوں اور منافقین کا امتحان لینا مقصد تھا کہ وہ پختہ مسلمانوں کی طرح اس حکم کی اتباع کرتے ہیں یا وہ اس پر گونا گوں اعتراضات وشبہات کرتے ہیں، کیونکہ یہ واقعہ اسلام میں نسخ کے ابتدائی واقعات میں سے ہے۔ ''إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ '' سے اس حکمت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حوالہ جات

۱......مسند احمد، ۳۳/۳۴۹۔
۲......ایضاً۔
۳......بدائع، ۲/۱۶۴۔
۴......فتح الباری ۳/۶۵۔
۵......البدایہ والنہایہ، ۹/۶۵۵۔
۶......معارف القرآن، ۵/۴۵۱۔
۷......تفسیر کبیر، ۲۰/۱۶۱۔
۸......تفسیر طبری، ۱۴/۵۰۶۔
۹......تفسیر ابن ابی حاتم، ۴/۲۲۱۔
۱۰......تفسیر ابن کثیر، ۸/۴۴۰۔
۱۱......روح المعانی، ۱۵/۲۱۔
۱۲......تفسیر قرطبی، ۱۳/۲۳۔
۱۳......معالم التنزیل، ۵/۸۰۔
۱۴......تاویلات اہل السنہ، ۷/۸۔
۱۵......روح المعانی، ۲/۱۰۔
۱۶......تفسیر کبیر، ۴/۱۰۸۔

(جاری ہے)

برقی تصویر

مفتی شعیب عالم

(چھٹی اور آخری قسط)

تصویر: ایک عرفی حقیقت

ارسطو کے بقول ’’تعریف علم کی ابتدا وانتہا ہے‘‘۔ ابتدا بایں معنیٰ ہے کہ کسی شئے کا علم حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس کا واضح اور صاف تصور حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ شئے کا واضح اور صاف تصور اس کی تعریف سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے معلمین اور مصنفین آغاز ہی میں مطلوبہ شئے کی تعریف کردیتے ہیں۔

اس اصول کا تقاضا تھا کہ پہلے قدم پر تصویر کی تعریف ذکر کردی جاتی اور اس کے بعد دیگر مباحث پر خامہ فرسائی کی جاتی، مگر جان بوجھ کر اس فنی اصول اور علمی اسلوب کو اس لیے نظرانداز کیا گیا کہ تصویر کی تعریف کرنا اسے دھندلا اور مبہم بنانا ہے۔ تصویر ایک جانی پہچانی حقیقت ہے، ہر ایک اسے جانتا اور سمجھتا ہے۔ عام لوگ جسے تصویر کہتے ہیں، شریعت بھی اسے تصویر کہتی ہے، اس وجہ سے تصویر کی تعریف نہ صرف مشکل، بلکہ بہت مشکل ہے (۱) کیونکہ تصویر کی جو بھی تعریف کی جائے گی اس سے مقصود تصویر کے مفہوم کی تعیین وتحدید اور اس کی حقیقت کا بیان اور وضاحت ہوگی، جب کہ یہ لفظ خود اتنا واضح ہے کہ اس سے زیادہ اس کی وضاحت ممکن نہیں ہے۔ واضح اشیاء اور سادہ تصورات کی تعریف اسی لیے بہت مشکل ہوتی ہے کہ ان سے زیادہ واضح، صاف اور سادہ الفاظ دستیاب ہی نہیں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ فقہی کتابوں میں حرمتِ تصویر کی علت سے تو بحث ملتی ہے، تصویر کے احکام تو مذکور ہیں، اس کے انواع و اقسام کا تذکرہ تو موجود ہے، مگر تصویر کی کوئی جامع و مانع اور نپی تلی تعریف دستیاب نہیں ہے۔ احادیث و آثار میں بھی تصویر اور تصویر سازی کی حرمت تو مذکور ہے، مگر تصویر کی حقیقت و ماہیت نہیں بیان کی گئی ہے۔

ایسے میں لغتِ عرب کی طرف رجوع لازم ٹھہرتا ہے، کیوں کہ شریعت جب بندوں سے مخاطب ہوتی ہے تو عربی لغت کو ذریعۂ اظہار اور وسیلۂ بیان بناتی ہے۔ اگر لغت شریعت کو ایسا لفظ فراہم کردے جو شریعت کے مزاج اور مطلوبہ معیار پر پورا اترتا ہو تو لفظ کا لغوی معنیٰ ہی اس کا شرعی

معنیٰ ٹھہرتا ہے، لیکن اگر لغت قاصر رہے تو شریعت اپنے منشاء ومزاج کے مطابق لغت میں تصرف کرتی ہے ۔ کبھی لفظ کے مفہوم کو وسعت دیتی ہے، جب کہ اکثر وبیشتر حدود وقیود کا اضافہ کرکے اُس کے دائرے کو تنگ کردیتی ہے ۔ بیع، صوم وصلاۃ وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں ۔

اگرچہ لغت سے شریعت مقدم ہے، مگر تصویر کے معاملے میں شریعت کا رویہ کچھ اس طرح ہے کہ اس نے بے جان اور جان دار کی تخصیص تو کردی ہے، مگر اس نے زیادہ تحدید وتعیین سے کام نہیں لیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس لفظ کے لغوی مفہوم کو برقرار رکھنا چاہتی ہے، اس لیے جو تصویر کا لغوی مفہوم ہوگا، وہی اس کا شرعی مفہوم قرار دیا جائے گا ۔

تصویر از روئے لغت :

لغت کی رو سے یہ لفظ مصدر ہے، مگر مصدری معنی میں نہیں، بلکہ مفعولی معنیٰ میں مستعمل ہے ۔ ''صورت'' اس کا مادہ ہے، جس کا مطلب، شکل، چہرہ مہرہ اور ظاہری خط وخال اور نقش ونگار ہے ۔ مفردات میں امام راغبؒ نے صورت کے بیان میں لکھا ہے :

''الصورة:ما ينتقش به الأعيان، ويتميز بها غيرها ،وذلک ضربان: أحدهما: محسوس يدركها العامة والخاصة،بل يدركه الإنسان وكثير من الحيوان، كصورة الإنسان والفرس والحمار بالمعاينة ، والثانى :معقول يدركه الخاصة دون العامة ،كالصورة التى اختص الإنسان بها من العقل والرؤية ، والمعانى التى خص بها شيء بشيء'' ۔ (۲)

ترجمہ : ......''کسی عین یعنی مادی چیز کے ظاہری نشان اور خط وخال جس سے اسے پہچانا جاسکے، اور دوسری چیزوں سے اس کا امتیاز ہوسکے، یہ دو قسم پر ہے: ۱......:محسوس، جن کا ہر خاص وعام ادراک کرسکتا ہو، بلکہ انسان کے علاوہ بہت سے حیوانات بھی اس کا ادراک کرلیتے ہیں، جیسے: انسان، فرس، حمار وغیرہ کی صورتیں دیکھنے سے پہچانی جاسکتی ہیں ۔۲......:صورت عقلیہ : جس کا ادراک خاص خاص لوگ ہی کرسکتے ہوں، اورعوام کے فہم سے بالاتر ہوں، جیسے: انسانی عقل وفکر کی شکل وصورت یا وہ معانی یعنی خاصے جوایک چیز میں دوسری سے الگ پائے جاتے ہیں'' ۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی تصویر کا یہی معنی بیان کیا ہے :

''جیسے قابل انعکاس فقط صورتیں ہی ہوتی ہیں، مادہ کو اس سے علاقہ نہیں، ایسے ہی قابل ادراک واحساس بھی یہ صورتیں ہی ہوتی ہیں، مادہ کو اس سے علاقہ نہیں، چناں چہ ظاہر ہے، کون نہیں جانتا، جسم اگر نظر آتا ہے تو اس کی تقطیع اور

رنگ ہی نظر آتا ہے اور کیا نظر آتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ یہی تقطیع اور رنگ مسمیٰ بصورت ہے.... ''صورت ایک تقطیع کا نام ہے۔''(۳)

بہر کیف صورت کا مطلب شئے کے ظاہری نقوش اور خط وخال ہیں، جس سے شئے کی شناخت اور پہچان ہوتی ہے، اور وہ دوسری اشیاء سے الگ اور ممتاز ہو جاتی ہے۔اسی ''مابه الامتیاز'' کو صورت کہتے ہیں۔

احادیث میں جہاں ''صورت'' کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد ''تصویر'' ہے اور تصویر سے مراد مطلق تصویر نہیں ہے، بلکہ جاندار کی تصویر ہے۔حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حوالے سے فیض الباری میں ہے:

''ولینظر فی هذا اللفظ لیتضح أن لفظ الصورة هل یختص بالحیوان فقط أو یستعمل فی غیر هذا أیضاً والظاهر أن أغلب استعماله فی الحیوانات ......فدل علی أن الصورة فی ذهن الشارع تستعمل للحیوانات وإلا فلا بأس بصورة الشجرة'' (۴)

ترجمہ:......''اس لفظ (صورت) میں اس پہلو سے غور کرنا چاہیے کہ اس کا استعمال صرف جاندار کے ساتھ خاص ہے یا اس کے علاوہ بھی اس کا استعمال ہوتا ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ اس کا غالب استعمال جانداروں کے لیے ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ شارع کی مراد اس لفظ سے جانداروں کی تصویر ہوتی ہے، ورنہ درخت کی تصویر بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے''۔

''صورت'' کے لفظ سے ''تصویر'' بنا ہے، جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔اس باب کی خاصیت ''جعل وصنعت'' ہے، اس لیے از روئے لغت تصویر کا مصنوع انسانی ہونا ضروری ہے۔اسی وجہ سے تصویر کا معنی صورت بنانا، صورت گری اور پیکر سازی کیا جاتا ہے۔ان مترادف تراجم میں انسانی صنعت گری کا مفہوم واضح طور پر پایا جاتا ہے اور اس قدر معنی پر اہل لغت کا اتفاق معلوم ہوتا ہے اور یہ معنیٰ برقی شبیہ پر بھی صادق آتا ہے۔

''إن الوعید لاحق بالشکل والهیئة وذلک غیر جوهر''۔(۵)

ترجمہ:......''وعید کسی شئے کی صورت اور ہیئت کے بارے میں وارد ہے اور وہ جوھر نہیں ہے''۔

'' تستعمل هذه الکلمة فی معنی شکل الشیء ،فیقال مثلاً :صورة الأرض وصورة حمار ''۔ (۶)

ترجمہ:......''یہ کلمہ کسی چیز کی شکل کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔کہتے ہیں: زمین کی شکل اور گدھے کی شکل وغیرہ''۔

’’فهذه الأحاديث قاضية بعدم الفرق بين المطبوع من الصور والمستقل لأن اسم الصورة صادقة على الكل إذ هی كما فی كتب اللغة الشكل ‘‘۔(۷)

ترجمہ:......’’یہ احادیث اس بارے میں فیصلہ کن ہیں کہ چھپی ہوئی اور مستقل تصویروں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیوں کہ صورت کا مطلب لغت میں شکل ہے اور یہ معنی سب پر صادق آتا ہے‘‘۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصور ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ جاندار اشیاء کے مشابہ اشکال بنائے۔

’’قال الخطابی : المصور هو الذی يصور أشكال الحيوان ‘‘۔(۸)

ترجمہ:......’’یعنی مصور وہ ہے جو جاندار اشیاء کی شکلیں بناتا ہے‘‘۔

اختلافی نکتہ:

اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ بعض تعریفوں میں تصویر کی تعریف اور مصور کے بیان میں کاغذ، کپڑے اور دیوار وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ان اشیاء کے اندر ایک مشترک خصوصیت ان کا ٹھوس ہونا بھی ہے اور اسی مشترکہ صفت اور قدر مشترک کو بنیاد بنا کر تصویر کی تعریف میں ایک لازمی شرط کے طور کہا جانے لگا ہے کہ تصویر کے لیے ’’کسی ٹھوس سطح پر منقش ہونا ضروری ہے۔‘‘

مقصود اس استدلال سے برقی شبیہ کو تصویر کی تعریف سے خارج کرنا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے محل پر اس طرح نقش نہیں ہوتی، جس طرح حروف کاغذ پر ثبت رنگ دیوار پر نقش اور نقوش پتھر پر کندہ ہوتے ہیں۔مگر یہ استدلال غور وفکر چاہتا ہے، کیونکہ اس کا حاصل استقراء کے ذریعہ قاعدہ کلیہ کی تشکیل یا لغت کا اثبات ہے، جب کہ لغت کے میدان میں اس کی ممانعت ہے۔صاف لفظوں میں’’قیاس کے ذریعے لغت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

مزید یہ کہ استقراء بھی تام نہیں، بلکہ ناتمام ہے، کیوں کہ ایک تو ایسی تعریفات دستیاب ہیں، جن میں ٹھوس اشیاء کا ذکر ہی نہیں اور جن تعریفات میں ٹھوس اشیاء کا ذکر ہے، ان میں بھی بعض کے اندر دیوار اور کپڑے وغیرہ کے ساتھ’’غیرها‘‘ کا لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل لغت نے تعریف کو خوب عموم اور وسعت دی ہے اور آئندہ کی امکانی صورتوں کو بھی داخل تعریف رکھنے کی گنجائش رکھی ہے۔

علاوہ برایں: اس شرط کی بناء پر ہمیں ایک قیاسی بنیاد حاصل ہو جاتی ہے، مگر کوئی یقینی بنیاد ہاتھ نہیں آتی ہے، جب کہ تعریف کے لیے ہمیں کسی ظنی اور تخمینی سہارے کی نہیں، بلکہ پختہ اور ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہے، کیوں کہ تعریف میں کسی شئے کی اساسی صفات اور ضروری خواص کو بیان کیا جاتا ہے، جن کی موجودگی اس شئے کے لیے لازم ہوتی ہے، جب کہ ٹھوس سطح پر نقش ہونے کی شرط

ایک یقینی نہیں، بلکہ ظنی سی شرط ہے اور اس ظنیت کی وجہ سے تنازع حل نہیں ہوتا، بلکہ اسی جگہ ٹھہرا رہتا ہے، جہاں سے شروع ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ٹھوس سطح پر منقش ہونے کی شرط اتنی اہم اور ضروری تھی تو ایک ایک لفظ کے لیے بادیہ پیائی اور صحرا نوردی کرنے والے محققین اہل لغت ایسی جوہری اور بنیادی شرط کس طرح نظر انداز کر گئے؟

بہرکیف جو علماء کرام برقی شبیہ کو تصویر تسلیم نہیں کرتے، ان کا استدلال یہ ہے کہ برقی شبیہ چونکہ اس طرح اپنے محل پر نقش نہیں ہوتی، جس طرح رنگ دیوار پر، اور حروف کاغذ پر نقش ہوتے ہیں، اس لیے برقی تصویر حرام تصویر کے ذیل میں نہیں آتی ہے۔ اس نظریے کے حامل اہل علم جب قائم اور پائیدار کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد یہی ہوتی ہے۔

اوپر ذکر ہو چکا کہ تصویر کا لفظ بذات خود اپنے اندر کوئی اجمال یا ابہام نہیں رکھتا ہے، مگر جب قائم اور پائیداری کی وہ تفسیر کی جائے جو جواز کے قائل علماء کرتے ہیں، اور اسے تصویر کے لیے لازمی شرط قرار دیا جائے تو برقی شبیہ کے تصویر ہونے یا نہ ہونے میں شک اور ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر ہم برقی شبیہ کو اس زاویہ سے دیکھیں کہ اپنے اصل کا مستقل عکس ہے جو اپنے اصل کے تابع نہیں ہے، بلکہ اس سے بے نیاز ہے تو برقی شبیہ تصویر نظر آتی ہے۔ اور اگر اس پہلو سے دیکھیں کہ اپنے محل پر چسپاں نہیں ہے، جس طرح رنگ و روغن سے بنی ہوئی تصویریں اپنے محل پر چھپی ہوئی ہوتی ہیں تو عکس کے ساتھ اس کی مشابہت قوی ہو جاتی ہے۔ ان دو متضاد اوصاف اور متباین خصوصیات کی بنا پر اور زاویۂ نظر کے اختلاف کی وجہ سے تصویر کا لفظ اپنے بعض مادوں (برقی شبیہ) کے بارے میں مبہم ٹھہرتا ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں ایک لفظ فی نفسہٖ واضح ہے، مگر اس کے ایک فرد کے بارے میں ذوجہتین ہونے کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس لفظ کے تحت داخل ہے یا نہیں؟

عرف: ایک فیصلہ کن عامل

ایسے موقع پر جب تصویر اپنے بعض مادوں میں مبہم ٹھہرتا ہے، ابہام کے ازالے، اجمال کی تفسیر، مشکل کی تعیین، جھگڑے کے تصفیے اور نزاع کے خاتمے کے لیے عرف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ عرف ہی اس مسئلے میں فیصلہ کن کردار ادا کرسکتا ہے۔

> **’’ كل ماورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا في اللغة يرجع فيه إلى العرف ‘‘۔**
>
> ترجمہ: ......’’ جو چیز شریعت میں بغیر کسی قید کے وارد ہوئی ہو اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی قاعدہ ہو، نہ لغت میں اس کی بابت کوئی ضابطہ مقرر ہوا ہو تو اس

کے متعلق عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا''۔

ہر رنگ کے جامع، فیلسوف اسلام، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایسی ہی صورت حال کے بارے میں فرماتے ہیں:

''و إذا ورد النص بصیغة أو اقتضٰی الحال إقامة نوع مداراً للحکم، ثم حصل فی بعض المواد اشتباہ فمن حقه أن یرجع فی تفسیر تلک الصیغة أو تحقیق حد جامع مانع لذلک النوع إلٰی عرف العرب، کما ورد النص فی الصوم بشھر رمضان ثم وقع الاشتباہ فی صورة الغیم فکان الحکم ما عند العرب من إکمال عدة شعبان ثلاثین وأن الشھر قد یکون تسعة وعشرین، وھو قوله ﷺ إنا أمة أمیة لا نکتب ولا نحسب، الشھر کذا''۔ (۹)

ترجمہ: ......''یعنی جب نص میں کوئی خاص لفظ وارد ہو یا صورت حال کا تقاضا ہو کہ کوئی نوع یعنی کلی بات تجویز کی جائے جسے حکم کے لیے علت قرار دیا جائے اور پھر اس کے بعض مادوں میں شبہ پیدا ہو جائے تو بھی مناسب یہی ہے کہ اس لفظ کی وضاحت معلوم کرنے کے لیے یا اس نوع کی جامع ومانع تعریف کرنے کے لیے اہل عرب کے عرف کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ روزے کے متعلق نص میں ''شھر رمضان'' آیا ہے، پھر ابر کی حالت میں اشتباہ پیدا ہوا (کہ رمضان کب شروع ہوا اور کب ختم ہو؟) اس لیے اس کا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس روزے پورے کرنے چاہئیں، حالانکہ مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس کا، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم ناخواندہ امت ہیں، نہ لکھتے ہیں، نہ حساب کرتے ہیں۔ مہینہ کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا ہوتا ہے''۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا کلام اپنے مفہوم اور مدعا میں واضح ہے اور کسی حاشیہ آرائی اور تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے ہم یوں رہنمائی لے سکتے ہیں کہ: ''حدیث میں تصویر کا نام لے کر اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن تصویر کی کوئی ایسی جامع ومانع تعریف نہیں کی گئی، جس سے تصویر کے ہر ہر فرد کا حال معلوم ہو جائے، اس لیے ہمیں عرف پر نظر ڈالنی چاہیے کہ اہل عرف تصویر کے لفظ سے کیا سمجھتے ہیں؟ جو چیز عرف میں تصویر سمجھی جاتی ہو، وہ شریعت میں بھی تصویر کہلائے گی۔

مذکورہ بالا نصوص کے تناظر میں اب ہم عرف سے اپنے نزاع کا تصفیہ کراتے ہیں، مگر عرف کی عدالت میں پیش ہونے سے قبل دو اصولوں کا استحضار ضروری ہے:

۱: ......عرف اور لغت میں ٹکراؤ ہو تو پلہ عرف کا بھاری رہتا ہے۔

۲: ......عرف کے ذریعے لغت کا اثبات جائز ہے۔

لغت کی رو سے تصویر کا اپنے محل پر قائم اور ثابت ہونا ضروری ہے، اس استدلال کے وزن پر گفتگو ہوچکی ہے۔ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ایسا ضروری ہے تو عرف کی رو سے قیام اورثبات کی شرط ضروری نہیں ہے۔اس طرح عرف اورلغت آمنے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اوران میں میدان سج جاتا ہے اور جب دونوں میں تصادم ہوتا ہے تو عرف غلبہ حاصل کر لیتا ہے، کیونکہ جب عرف اورلغت میں ٹکراؤ ہوتو پہلے اصول کی روسے پلہ عرف کا ہی بھاری رہتا ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تصویر کے لیے قیام اورثبات کی شرط ضروری نہیں ہے، کیونکہ عرف نے اس شرط کوختم کر دیا ہے، بلکہ دوسرے اصول کی رو سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہنا بھی درست ہے کہ: ’’لغت کی رو سے بھی قائم اور پائیداری کی شرط غیرضروری ہے، کیوں کہ عرف سے لغت کا ثبوت جائز ہے اورعرف میں یہ شرط غیرضروری سمجھی جاتی ہے۔

مزید یہ کہ عام لوگ اس فنی باریکی میں نہیں پڑتے ہیں کہ برقی تصویر پائیدار ہے یا ناپائیدار؟ یہ بحث صرف علمی حلقوں تک محدود ہے، اورعلمی حلقوں کو اپنے اختلاف کا فیصلہ عرف عام سے کرنا چاہیے، کیونکہ ’’عرف متفاہم‘‘ کوشریعت نے معتبر قرار دیا ہے اورمعتبر کیوں نہ ہو کہ اجماع عملی کی ایک قسم ہے۔

ہماری اس گفتگو پر ’’مصادرة علی المطلوب ‘‘ کا خیال ہوسکتا ہے،جس میں دعویٰ اوردلیل ایک ہی ہوتے ہیں اور دعویٰ کو ہی بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔کوئی صاحبِ علم کہہ سکتا ہے کہ عرف میں برقی تصویر کا تصویر ہونا محض دعویٰ ہے جو ثبوت کا محتاج ہے۔جس قدر گفتگو ہوچکی ہے، اس کے پیش نظر اس دعویٰ کو مزید مدلل کرنے کی ضرورت تو نہیں، تاہم فائدے سے خالی بھی نہیں، اس لیے اہل علم کے غور وفکر کے لیے چند نکات کا پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آئینہ بنانے، آئینے کے سامنے آنے، آئینہ کسی کے سامنے کرنے اورآئینے سے پردہ ہٹانے کو کوئی بھی تصویر کشی نہیں کہتا اور نہ ہی آئینے میں نظر آنے والی پرچھائیوں کو کوئی تصویر کہتا ہے، مگر برقی آلات پر ہونے والے تماشوں اوران کی جلوہ گاہوں پر ہونی والی نقل وحرکت کو سب تصویر سمجھتے ہیں۔ ’’تصویر دھندلی ہے، تصویر صاف نہیں، آواز آتی ہے تصویر نہیں، قریب کرنے سے تصویر کے پکسلز پھٹ جاتے ہیں، تصویر ہل گئی ہے، موبائل نہ ہونے کی وجہ سے میں تصویر نہ لے سکا، فلاں کا موبائل تصویروں سے بھرا ہوا ہے۔‘‘اس قسم کے جملوں سے بخوبی عوام الناس کے عرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

آئینے کے روبرو کھڑے شخص کو کوئی بھی نہیں کہتا کہ وہ تصویر بنوار ہا ہے، اور نہ ہی وہ خود اس اہتمام سے کھڑا ہوتا ہے، جس طرح کیمرے کے سامنے لوگ کھڑے ہوتے ہیں، مگر کیمرے کے سامنے کھڑے شخص کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ تصویر بنوار ہا ہے۔

جولوگ گھر میں ٹی وی رکھتے ہیں، وہ اپنے اس فعل بد کے جواز کے لیے مختلف حیلے تراشتے ہیں، مثلاً: ’’خبریں سننے کو ملتی ہیں، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، بچے باہر جانے سے محفوظ رہتے

ہیں اور غلط ماحول سے ان کی حفاظت ہوتی ہے، اب یہ زمانے کی ضرورت ہے۔'' مگر کوئی بھی ٹی وی کے جواز کے لیے یہ دلیل نہیں تراشتا کہ ٹی وی دیکھنا گویا آئینہ دیکھنا ہے اور آئینہ دیکھنا جائز ہے تو ٹی وی دیکھنا کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

عوام کے علاوہ خواص کا عرف بھی برقی شبیہ کو تصویر سمجھنے کا ہے۔ محترم افضال احمد صاحب نے اپنی کتاب میں ''ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام'' ماہرین کی تحقیقات علاوہ اس مضمون کے کئی حوالے نقل کیے ہیں، جن میں ٹی وی کے منظر کو تصویر قرار دیا گیا ہے۔ بطور نمونہ ایک دو حوالے ملاحظہ کیجیے:

''انسائیکلو پیڈیا انٹرنیشنل'' میں ہے:

> ''ٹی وی اور ریڈیو کے درمیان واضح وظاہر فرق یہ ہے کہ ٹی وی میں ایک تصویر بجلی کے کرنٹ میں مبدل ہو جاتی ہے (یعنی ذرات) پھر وہی کرنٹ آگے چل کر دوبارہ تصویر اول کے مانند ہو جاتے ہیں۔'' (۱۰)

''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا'' میں تصویر کشی کے متعلق لکھا ہے:

> ''بذریعہ کیمرا شکل وصورت اتار کر اس کو بجلی وبرقی ذرات میں بدل کر ویڈیو کے ذریعہ سے یہ ذرات آلہ مسمیٰ ریسیور تک پہنچائے جاتے ہیں، پھر یہ آلہ ان ذرات کو تصویری ٹیوب کے ذریعے دوبارہ تصویر میں بدل دیتا ہے اور یہ تصویر بالکل اصل کے مطابق ہے۔'' (۱۱)

> **''والتلفزة هی استخدام الکهرباء واللاسلکی فی نقل صور الأشیاء الثابتة أو المتحرکة واستقبالها ثانیاً عند مسافات بعیدة وهذه العملیة تتناول خطوات عدیدة ،شرحناها فی بعض مؤلفاتنا۔''** (۱۲)

گزشتہ سطور میں عرف اور لغت کے حوالے سے جو بحث ہوئی، اس سے یہ تاثر لیا جاسکتا ہے کہ تصویر کے لیے دوام اور قیام کی شرط میں عرف اور لغت کا اختلاف ہے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہے۔ برقی تصویر کے حوالے سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اہل لغت کے بیان کردہ معانی اپنے اپنے عرف پر مبنی ہیں۔ چونکہ مختلف زمانوں میں تصویر سازی کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں، اس لیے اہل لغت نے تصویر کے بیان میں اپنے اپنے زمانے میں مروج شکلیں بیان کردی ہیں، جن سے ان کا مقصود حصر نہیں ہے، بلکہ اپنے عہد کا اسلوب اور طریقۂ تصویر سازی ہے۔ اگر حصر مراد ہوتا تو جدید لغات میں فوٹو اور ٹی وی کی تصویر کو تعریف میں شامل نہ کیا جاتا۔

قانون بھی عرف کی تائید کرتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی عدالت کا حوالہ بہت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک مقدمہ جس کی مختصر روئیداد یہ ہے کہ ہاکنگز نامی شخص کے زیر قبضہ بچوں کی فحش

ڈیجیٹل تصاویر تھیں، اور کچھ اس نے بذریعہ کمپیوٹر نشر کردی تھیں۔ ملزم پکڑا گیا، پہلے تو اس نے اعترافِ جرم کیا، جس کی بناء پر اس پر فردِ جرم عائد کردی گئی، مگر پھر اس نے خود ہی اپنی سزا کے خلاف بالا عدالت میں اپیل دائر کی، اور یہ موقف اختیار کیا کہ قانون کی رو سے g.v.f فائلز بصری تصاویر کی ذیل میں نہیں آتیں، اس لیے اس پر عائد کردہ سزا غیر قانونی ہے۔

دراصل جس وقت یہ وقوعہ ہوا تھا، اس وقت کا نافذ العمل قانون یہ تھا کہ بصری تصاویر میں غیر ڈیولپ شدہ فلم اور ویڈیو ٹیپ شامل ہیں، مگر اس میں کمپیوٹر ڈیٹا کا ذکر نہیں تھا۔ ملزم نے قانون کے اس ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ اس کا فعل مذکورہ قانون کے زیر اثر نہیں آتا، اس لیے اسے بری کیا جائے۔

عدالت اپیل نے اپنے فیصلے میں نافذ قانون کی یہ خامی تو تسلیم کی کہ اسے اس طرح مرتب نہیں کیا گیا ہے کہ اس میں وہ تمام مواد شامل ہو جائے جو بصری تصاویر کی ذیل میں آتا ہے اور ساتھ ہی مقنّنہ (کانگریس) سے قانون کا ابہام دور کرنے کی سفارش بھی کردی، مگر ہاکنگز (ملزم) کی اپیل مسترد کردی اور اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ کمپیوٹر تصویر بھی بصری تصویروں کی تعریف میں آتی ہے۔

عدالت نے واضح کیا کہ ۱۹۹۶ء میں قانون کی تشریح کو وسعت دے کر اس میں کمپیوٹر ڈسک میں جمع ڈیٹا کو یا وہ الیکٹرانک ذرائع جو ان کو بصری تصاویر میں بدلنے پر قادر ہوں، شامل کردیا گیا ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلے کی تائید میں ایک اور مقدمہ کو بھی بطور نظیر پیش کیا، جس میں ایک شخص نے کمسن بچوں کی مختلف اسٹیجز کے فوٹو گراف لیے اور پھر صفائی و دھلائی کے لیے فلم، کمپنی کو بھیج دی، کمپنی نے پولیس کو اطلاع دی، اس شخص نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ تفصیلی پراسس سے پہلے اس کا فعل متعلقہ قانون کی زد میں نہیں آتا ہے، مگر عدالت نے اس کی یہ دلیل رد کردی اور اسے سزا سنائی۔ عدالت کا کہنا تھا کہ اس طرح کے مواد کو اگر تصویر کی تعریف میں شامل نہ سمجھا جائے تو بچوں کے متعلق انسدادِ فحاشی کا رائج قانون متاثر ہوگا۔

بہر حال متذکرہ بالا مقدمے کی رو سے ڈیٹا بھی تصویر کی تعریف میں آتا ہے۔ عدالت نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اسے تصویر قرار دیا ہے۔ عدالت کے الفاظ ہیں:

> ''ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ الزام لگائے جانے والے قانون کی رو سے کمپیوٹر g.i.f files بصری تصویر کی تعریف میں آتی ہیں۔''

ان تمام شواہد سے مقصود یہ ہے کہ عرف میں برقی شبیہ تصویر ہے اور عرف کی تائید لغت کی دلالت سے بھی ہوتی ہے، ماہرین کی آراء بھی اسے تقویت پہنچا رہی ہیں اور فہم عامہ بھی عرف کی پشت پناہی کر رہی ہے اور خود عرف اس قدر قوت اور طاقت رکھتا ہے کہ لغت کو بھی عموم اور وسعت دے دیتا ہے، اس لیے عرف کی بدولت لغت بھی برقی تصویر کو شامل ہے۔

نتیجۂ بحث:

۱:...... برقی تصویر کے عکس ہونے کے بارے میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان کے تفصیلی اور تنقیدی جائزے کے بعد راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ برقی تصویر بھی تصویر کی ہی ایک نوع ہے اور حرام ہے۔

۲:...... یہ موقف اس وجہ سے بھی قوی معلوم ہوتا ہے کہ کثرت اس جانب ہے اور اکابر کی اکثریت کا بھی یہی نظریہ ہے۔

۳:...... جو تحقیق اکابر کی تحقیق کے ہم آہنگ اور مطابق ہو اور ان کے مزاج کے موافق ہو، اسی میں خیر اور بھلائی ہے اور اسی میں فتنوں سے بچاؤ اور حفاظت ہے۔

۴:......اگر دونوں جانب کے دلائل مساوی تسلیم کر لیے جائیں تو احتیاط کا پہلو بھی اسی قول میں ہے۔

۵:......شریعت کا حساس مزاج اور باریک بین اور دور اندیش نگاہ صرف اس نظر سے افعال کو نہیں دیکھتی کہ اس میں فی نفسہٖ کوئی مضرت یا قباحت ہے، بلکہ اس پہلو سے بھی افعال واعمال کا جائزہ لیتی ہے کہ وہ مفاسد کا ذریعہ اور قبائح کا وسیلہ نہ بن سکیں۔ اس کی طبیعت ہے کہ وہ جس طرح مفاسد سے روکتی ہے، اسی طرح مفاسد تک پہنچنے والے راستوں پر بھی چوکیاں قائم کر دیتی ہے اور پہرے بٹھا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل مفسدے کے ارتکاب سے پہلے بہت سی رکاوٹوں کو عبور اور بہت سی چوکیوں پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ اصولیین نے بھی اسی وجہ سے ''ممنوع لعینہٖ اور ممنوع لغیرہٖ'' کی اصطلاح قائم کی ہے اور فقہاء نے بھی قانون انسداد اور سد ذرائع سے کام لیتے ہوئے بہت سے ایسے افعال کو ممنوع گردانا ہے، جو ظاہری نگاہ میں جائز اور مباح معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ شارع علیہ السلام کا اصل مقصود مفاسد سے روکنا ہے، مگر مقدمات اور وسائل کی ممانعت بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ مفاسد کی برائی تو ہر خاص وعام پر واضح ہوتی ہے اور ہر ایک اسے جانتا اور سمجھتا ہے، مگر مقدمات کا فریب اور اس میں چھپے زہر کا علم وحی کی رہنمائی کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ مقدمات ہمیشہ کثرت میں ہوتے ہیں، جس طرح منزل تک وصول اور ہدف کے حصول کے بہت سے راستے ہوتے ہیں، اس کے برعکس حقیقت ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ حقیقت کی ممانعت کی وجہ سے اس تک پہنچنے والے راستے خود بخود ممنوع ہو جاتے ہیں، مگر نام بنام ان کی ممانعت ممکن نہیں ہوتی ہے، کیونکہ وہ لاتعداد اور لامحدود ہوتے ہیں، اس وجہ سے نفس کو وار کرنے اور شیطان کو اغواء کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ رواج اور سماج میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اور اتنے سنگین نہیں سمجھے جاتے، اس لیے انسان ان سے مانوس اور طبائع ان کی عادی ہوتی ہیں، اور ان سے پرہیز ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ کبھی یکساں اور غیر متغیر نہیں رہتے ہیں، بلکہ وقت اور زمانے، حالات اور واقعات کے تحت بدلتے رہتے ہیں، اس وجہ سے ان کا فہم مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مقاصد اور حقائق ہر زمانے میں اور ہر جگہ غیر متغیر اور غیر متبدل رہتے ہیں۔ ذرائع کا بذات خود ممنوع

اور قبیح ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ یہ اکثر جائز شکل میں ہوتے ہیں اور انسان ان کے فی نفسہٖ جواز کی وجہ سے ان کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے۔ جتنے بڑے کبائر ہیں، جیسے: زنا، شرک پرستی، قتل اولاد وغیرہ ان کی تاریخ پر نظر ڈالیے، سب کی ابتدا وسائل اور مقدمات سے ہوئی ہے۔

اس بحث کے تناظر میں برقی تصویر کے متعلق جواز اور عدم جواز سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے مفاسد پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ اگر یہ درست نہ بھی ہو کہ وہ حرام تصویر ہے، مگر اس کا غیر شرعی اور غیر تعمیری استعمال اتنا زیادہ ہے اور اس کے نتائج اتنے سنگین اور مفاسد اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اسے شرعی قانون انسداد کے تحت ممنوع ہونا چاہیے۔ ماقبل میں امریکی عدالت اپیل کا فیصلہ گزر چکا ہے کہ کس طرح مفاد عامہ اور اجتماعی مصلحت کی خاطر اس نے ملزم کو قانون کے ابہام کا فائدہ نہیں اُٹھانے دیا اور ایک چیز جو رائج قانون کے تحت خلاف قانون نہیں تھی، مگر مفاسد کی روک تھام کے لیے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ شرعاً بھی برقی تصویر کو دفع مضرت اور حصولِ مصلحت کے تحت ممنوع قرار دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور اس معاملے میں شریعت اور قانون دونوں ہم خیال اور متفق ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) جو تعریفیں دستیاب ہیں، ان میں سے بعض کو تعریف کی بجائے تمثیل کہنا زیادہ مناسب ہے۔ بعض میں مغالطہ دور ہے یعنی تعریف میں تصویر سے مشتق کوئی لفظ دہرایا گیا ہے۔ بعض میں کوئی ایسا عام تر لفظ استعمال گیا ہے، جس سے تعریف کا دائرہ پھیل گیا ہے اور حد اور محدود کا توازن بگڑ گیا ہے۔ کچھ میں علل اربعہ میں سے کوئی علت ترک کردی گئی ہے۔ الغرض کسی نہ کسی منطقی اصول کو نظر انداز کردیا گیا ہے، جس کی بناء پر کسی تعریف پر کلی اطمینان نہیں ہوتا ہے۔ دوسری طرف خود منطقیوں نے معرف اور حد کے بارے میں جو نکتہ آفرینیاں، فنی موشگافیاں اور دقت پسندیاں کی ہیں، ان میں سے اکثر کوہ کندن اور کاہ برآوردن ہیں۔ منطق کی ہزار ہا سالہ تاریخ میں سوائے حیوان ناطق کے کوئی اور ایسی تعریف وضع نہیں ہوسکی ہے جو خود منطقی معیار پر پوری اترتی ہو۔ اور یہ یکتا اور بے نظیر تعریف بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تابڑ توڑ حملوں سے لہولہان ہے۔ شارح بزدوی شیخ عبدالعزیز بخاریؒ ''خاص'' کی بحث کے تحت فرماتے ہیں کہ ہمارے مشایخ منطقی اصولوں کو زیادہ درخور اعتناء نہیں سمجھتے اور ان جھمیلوں میں نہیں پڑتے ہیں، مگر شیخ زین الدین بن ابراہیم ابن نجیمؒ نے ''المنار'' کی شرح ''فتح الغفار'' میں اس موقف کو مسترد کیا ہے۔

(۲) مفردات القرآن (اردو) مترجم: شیخ محمد عبدہٗ فیروز پوری، ص:۵۹۹، ج:۲، ط: شیخ شمس الحق، کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور)۔

(۳) قبلہ نما، ص:۳۲، ط: کتب خانہ قاسمی، سن ۱۹۲۶ء۔

(۴) فیض الباری علیٰ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ، ج:۶، ص:۱۱۱، رقم الحدیث:۵۹۵۱، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت۔

(۵) فیض القدیر، حرف من:۶/۳/۱۷۳، رقم الحدیث:۸۸۲۳، ط: مطبعہ مصطفیٰ محمد، ۱۹۳۸ء۔

(۶) دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مادہ: صورۃ:۳۷۲/۲/۱۴، ط: دار المعرفۃ بیروت۔

(۷) الاعلام ببیان أخطاء الشیخ القرضاوی فی کتاب الحلال والحرام، تالیف صالح بن فوزان بن عبداللہ آل فوزان، المدرس بکلیۃ الشریعۃ بالریاض۔

(۸) عمدۃ القاری، کتاب اللباس، باب ماوطی من التصاویر:۲/۲۲/۷۲، ط: رشیدیہ، کوئٹہ۔

(۹) حجۃ اللہ البالغۃ، باب ضبط المبھم وتمییز المشکل والتخریج من الکلیۃ ونحو ذلک، ج:۱، ص:۱۱۱، ط: کتب خانہ رشیدیہ دھلی۔

(۱۰) ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام، ص:۱۷۴، سن طباعت:۱۴۰۷ھ، طابع: اسلامی کتب خانہ، کراچی۔

(۱۱) ایضاً۔ (۱۲) محاضرات الموسم الثقافی، ص:۴۰، قدری حافظ طوفان، دار المعارف مصر، ۱۳۷۴ھ۔

تصوف !

قرآن وسنت کی روشنی میں

ڈاکٹر بشیر احمد رِند

''تصوف'' کا مفہوم:

''تصوف'' کا اصل مادہ ''صوف'' ہے، جس کا معنی ہے ''اون''۔ اور ''تَصَوُّف'' کا لغوی معنی ہے ''اون کا لباس پہننا'' جیسے ''تَقَمُّص'' کا معنی ہے قمیص پہننا۔ (۱)

صوفیاً کی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں: اپنے اندر کا تزکیہ اور تصفیہ کرنا، یعنی اپنے نفس کو نفسانی کدورتوں اور رذائلِ اخلاق سے پاک وصاف کرنا اور فضائلِ اخلاق سے مزین کرنا۔ (۲) اور صوفیاء ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے ظاہر سے زیادہ اپنے اندر کے تزکیہ اور تصفیہ کی طرف توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

اب لفظ صوفیاً، اپنے لغوی معنی (اون کا لباس پہننے والے) میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے اندر کے تزکیہ وتطہیر کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اور اب یہ لفظ ایسے ہی لوگوں کے لیے لقب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ چونکہ ابتدا میں ایسے لوگوں کا اکثر لباس صوف (اون) ہی ہوتا تھا، اس وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا، اگرچہ بعد میں ان کا یہ لباس نہ رہا۔ (۳)

''تصوف'' کی اہمیت:

حدیث کی کتابوں میں ایک حدیث، حدیثِ جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے، اس میں ہے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ سوالات کیے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ: ''احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ''احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اگر تم خدا کو دیکھ نہیں رہے (یعنی یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی) تو کم سے کم یہ یقین کرلو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ (۴)

بندہ کے دل میں اسی احسان کی کیفیت پیدا کرنے کا صوفیائے کی زبان میں دوسرا نام ’’تصوف‘‘ یا ’’سلوک‘‘ ہے۔ ’’تصوف‘‘ دراصل بندہ کے دل میں یقین اور اخلاص پیدا کرتا ہے۔ ’’تصوف‘‘ مذہب سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ مذہب کی روح ہے۔ جس طرح جسم روح کے بغیر مردہ لاش ہے، اسی طرح اللہ کی عبادت بغیر اخلاص کے بے قدر و قیمت ہے۔ ’’تصوف‘‘ بندہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی محبت پیدا کرتا ہے اور خدا کی محبت بندہ کو مجبور کرتی ہے کہ وہ خلق خدا کے ساتھ محبت کرے، کیونکہ صوفی کی نظر میں خلقِ خدا، خدا کی عیال ہے اور کسی کے عیال کے ساتھ بھلائی عیال دار کے ساتھ بھلائی شمار ہوتی ہے۔

خدا کی ذات کی محبت بندہ کو خدا کی نافرمانی سے روکتی ہے اور بندگانِ خدا کی محبت بندہ کو ان کے حقوق غصب کرنے سے روکتی ہے، اس لیے صوفیائے حضرات کی زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرتے ہوئے گزرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز انسان کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنائے اور اس کے بندوں کا خیرخواہ بنائے، اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ’’تصوف‘‘ اور اہلِ تصوف کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ: ’’ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے چھ کروڑ (۸۵ فیصد) مسلمان یقیناً اہلِ تصوف کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں‘‘۔ (۵)

ہم اپنے اس مقالے میں ’’تصوف‘‘ کی ان باتوں کا قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کریں گے جو صوفیائے حضرات کے ہاں متفق علیہ ہیں۔ صوفیائے حضرات جن باتوں پر زیادہ زور دیتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱:......اللہ تعالیٰ کی محبت۔

۲:......رسول اللہ ﷺ کی اطاعت۔

۳:......تزکیۂ نفس (اپنے نفس کو فضائلِ اخلاق سے آراستہ کرنا اور رذائلِ اخلاق سے پاک کرنا)۔

۴:...... برداشت اور رواداری۔

۵:......خدمتِ خلق۔

اب ہم ہر ایک بات کا قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں:

۱:......اللہ تعالیٰ کی محبت

صوفیائے حضرات اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیتے ہیں وہ عشق ومحبتِ خداوندی ہے، کیونکہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو محبّ کو اپنے محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے اور اس کی نافرمانی سے روکتی ہے اور محبّ کے دل میں محبوب کی رضا کی خاطر ہر مصیبت و تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی قوت وصلاحیت پیدا کرتی ہے، اور محبت ہی وہ چیز ہے جو محبّ کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ایسا عمل کرے جس سے محبوب راضی ہو اور ہر اس عمل و کردار سے باز رہے جس سے محبوب ناراض ہو، چنانچہ صوفیائے حضرات اگر زہد، تقویٰ، عبادت، ریاضت اور مجاہدے اختیار کرتے ہیں تو ان کا مقصد صرف

اور صرف خدا کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ جنت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے خدا کی بندگی نہیں کرتے، چنانچہ حضرت رابعہ بصریہؒ اپنی ایک دعا میں فرماتی ہیں: ''خدایا! اگر میں تیری بندگی جنت کے لیے کرتی ہوں تو مجھے اس سے محروم رکھنا، اگر میں جہنم کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دینا، لیکن اگر میں تیری بندگی تجھے پانے کے لیے کرتی ہوں تو مجھے اپنے آپ سے محروم نہ رکھنا''۔ (۶)

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

ترجمہ: ''فراق و وصل کیا ڈھونڈتا ہے، محبوب کی رضامندی ڈھونڈ کہ محبوب سے محبوب کے سوا کی تمنا کرنا افسوس کی بات ہے''۔ (۷)

علامہ شبلیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں:

''الصوفی لا یریٰ فی الدارین مع اللّٰہ غیراللّٰہ''۔ (۸)

ترجمہ: ''صوفی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے علاوہ اور کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔''

امام ربانیؒ فرماتے ہیں: ''مقربین بارگاہِ الٰہی (یعنی صوفیائے حضرات) اگر بہشت چاہتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کا مقصد نفس کی لذت ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ خدا کی رضا کی جگہ ہے۔ اگر وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ اس میں رنج والم ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ خدا کی ناراضی کی جگہ ہے، ورنہ ان کے لیے انعام اور رنج والم دونوں برابر ہیں، ان کا اصل مقصود رضائے الٰہی ہے''۔ (۹)

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ فرماتے ہیں:

محبت سندو من ۾ ماڻڪ ٻارج مچ
ان پر اٿي اچ تہ سودو ٿئي سڦرو (۱۰)

ترجمہ: ''اے موتی جیسے انسان! اپنے اندر خدا کی محبت کا اَلاؤ جلا دے، یہ راہ اختیار کروگے تو تمہارا لین دین کامیاب ہوگا۔''

عاشقن اللّٰہ ويرو تار نہ وسري
اَھ ڪريندي ساھ ڪڏھن ويندو نڪري.

ترجمہ: ''خدا سے عشق کرنے والے اسے کبھی نہیں بھلاتے، کبھی عشق و محبت کی آہ بھرتے ہوئے ان کی روحیں پرواز ہوجائیں گی''۔ (۱۱)

اور یہی بات قرآن وسنت کی تعلیم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ''۔ (۱۲)

ترجمہ: ''اور جو لوگ مؤمن ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں''۔

ایک اور آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِيْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ''۔ (۱۳)

ترجمہ: '' (اے رسول ﷺ! مسلمانوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ اور دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور وہ تجارت جس کے مندا پڑے جانے سے تم بہت ڈرتے ہو، اور وہ مکانات جنہیں تم بہت عزیز رکھتے ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہے تو پھر انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من أحب للّٰہ وأبغض للّٰہ و أعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الإیمان ''۔ (۱۴)

ترجمہ: ''جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ ہی کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھے اور اللہ ہی کے لیے دے اور کسی کو کچھ دینے سے اللہ ہی کے لیے ہاتھ روکے تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا''۔

آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''أللّٰھم اجعل حبک أحب إلی من نفسی وأھلی ومن الماء البارد''۔ (۱۵)

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے ایسا کر دے کہ تیری محبت اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال سے اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو''۔

اور صوفیائ حضرات اسی محبت کو اپنے دل میں اور اپنے مریدین کے دل میں پیدا کرنے کے لیے مجاہدے اور ریاضت کرتے ہیں اور کراتے ہیں۔

۲: ......رسول اللہ ﷺ کی اطاعت

مسلمان صوفیائ حضرات کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اُن کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کیے بغیر معرفتِ خداوندی اور نجات کا حصول ناممکن ہے، چنانچہ امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اس نعمتِ عظمیٰ یعنی معرفت خداوندی تک پہنچنا سیدالاولین والآخرین ﷺ کی

اتباع سے وابستہ ہے، آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر فلاح ونجات ناممکن ہے''۔

محال است سعدی کہ راہ صفا

تواں رفت جز در پئے مصطفٰیؐ (۱۶)

ترجمہ: ''اے سعدی! یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کیے بغیر خدائی معرفت اور تصفیہ قلب حاصل ہو سکے''۔

یہی بات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

'' قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ''۔ (۱۷)

ترجمہ: ''اے پیغمبر! (ﷺ) آپ ان کو بتا دیجیے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔''

اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ''۔ (۱۸)

ترجمہ: ''جس شخص نے خدا کے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔''

کیونکہ رسول اکرم ﷺ جو کچھ بولتے ہیں، وہ وحی الٰہی ہی ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

'' وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ،إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ''۔ (۱۹)

ترجمہ: ''وہ (رسول اللہ ﷺ) اپنی خواہشات سے نہیں بولتے، وہ (جو کچھ تمہیں دے رہے ہیں) وہ وحی الٰہی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے''۔

اس لیے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

'' مَاأٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَا كُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ''۔ (۲۰)

ترجمہ: ''جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رُک جاؤ۔''

آپ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا اس وقت تک ایمان کامل ہی نہیں ہوسکتا، جب تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر چیز سے زیادہ محبت نہ کرے اور اپنی ساری خواہشات رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے تابع نہ بنا دے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''لایؤ من أحدکم حتٰی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین ''۔ (۲۱)

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ رکھے''۔

'' لایؤمن أحکم حتٰی یکون هواه تبعاً لما جئت به ''۔ (۲۲)

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہوں''۔

۳:......تزکیۂ نفس

صوفیاً حضرات جتنے مجاہدے، ریاضات اور عبادات کرتے ہیں یا ان کا اپنے معتقدین کو درس دیتے ہیں، ان کا اصل مقصد نفس کا تزکیہ اور تطہیر ہے۔ چنانچہ سندھ کے سدا حیات اور آفاقی شاعر، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ فرماتے ہیں:

اکر پڑھ الف جو ٻیا ورق سپ وسار
اندر تون اجار پنا پڑھندین کیترا (۲۳)

ترجمہ: ''اے دوست! چاہے ایک حرف ''الف'' ہی پڑھ لو، لیکن اپنے اندر کو پاک وصاف کرلو۔ اگر اندر کا تزکیہ وتطہیر نہیں کرتے تو زیادہ پڑھنے اور ورق گردانی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں''۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وسنت اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟!۔

قرآن مجید اور تزکیۂ نفس

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا نقل کی ہے:

'' رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ''۔ (۲۴)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! میری اولاد میں ان میں سے ہی ایک رسول بھیج، جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور اُنہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے اندر کا تزکیہ کرے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ظاہر ہے کے کسی نبی کی بعثت، تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کا اصل مقصد لوگوں کے اندر کا تزکیہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

'' هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ''۔ (۲۵)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُنہیں خدائی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور اُنہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کے نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو خدائی آیات

سنائیں، ان کا تزکیہ کریں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔ لیکن غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ نبی پاک ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد تزکیہ ہی تھا، کیونکہ تلاوتِ آیات وتعلیمِ کتاب وحکمت کا اصل مقصد تو تزکیہ ہی ہے، کیونکہ اگر تعلیم سے تزکیۂ قلب وتطہیر نفس حاصل نہ ہو تو تعلیم وتعلم، درس وتدریس سب فضول ہے، جیسا کے بھٹائی صاحبؒ کے مذکورہ شعر سے واضح ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہے:

’’ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ‘‘۔ (۲۶)

ترجمہ: ’’بے شک وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور وہ ناکام ونامراد ہوگیا جس نے اپنے نفس کو مٹی آلود کردیا‘‘۔

’’تصوف‘‘ جن رذائلِ اخلاق سے اپنے اندر کو پاک کرنے کی تعلیم دیتا ہے، وہ یہ ہیں:

بدنیتی، ناشکری، جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، بددیانتی، غیبت وچغلی، بہتان، بدگوئی و بدگمانی، خوشامد وچاپلوسی، بخل وحرص، ظلم، فخر، ریا ونمود اور حرام خوری، وغیرہ۔

اور جن چیزوں سے اپنے اندر کو سنوارنے کی تعلیم دیتا ہے، وہ یہ ہیں:

اخلاصِ نیت، ورع وتقویٰ، دیانت وامانت، عفت وعصمت، رحم وکرم، عدل وانصاف، عفو ودرگزر، حلم وبردباری، تواضع وخاکساری، سخاوت وایثار، خوش کلامی وخودداری، استقامت واستغناء وغیرہ۔ (جیسا کہ ابوالقاسم قشیریؒ کی کتاب ’’رسالہ قشیریہ‘‘ اور علی ہجویریؒ کی کتاب ’’کشف المحجوب‘‘ اور ابونصرؒ کی کتاب ’’کتاب اللمع‘‘ اور شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کی کتاب ’’شاہ جو رسالو‘‘ سے ظاہر ہے)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وسنت کا بیشتر حصہ ان ہی رذائلِ اخلاق سے بچنے اور فضائلِ اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ فضائلِ اخلاق اور رذائلِ اخلاق پر سید سلیمان ندویؒ نے ’’سیرت النبیؐ‘‘ کی چھٹی جلد لکھی ہے، جو ۴۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں انہوں نے سینکڑوں آیات واحادیث ذکر کی ہیں۔

اگر صرف ارکانِ اربعہ (چار اہم عبادات: نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج) پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن وسنت نے ان کا مقصد ہی تزکیۂ نفس وتطہیرِ قلب بتایا ہے۔

نماز کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

’’ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ‘‘۔ (۲۷)

ترجمہ: ’’بے شک نماز بے حیائی اور برے اعمال سے روکتی ہے‘‘۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ من لم تنهه صلٰوتهٗ عن الفحشاء و المنكر فلا صلٰوةَ لهٗ ‘‘۔ (۲۸)

ترجمہ: ’’جس کی نماز اُسے بے حیائی اور برے عمل سے نہ روکے، اس کی نماز، نماز ہی نہیں‘‘۔

روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ‘‘۔ (۲۹)

ترجمہ:’’(تم پر روزے اس لیے فرض کیے گئے) تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ‘‘۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

’’من لم يدَعْ قولَ الزور والعمل به فليس للّٰه حاجة بأن يدَعَ طعامَهٗ وشرابَهٗ ‘‘۔(۳۰)

ترجمہ:’’جس نے برے قول اور برے عمل کو نہ چھوڑا، اُس کے بھوکے پیاسے رہنے کی خدا کو کوئی ضرورت نہیں‘‘۔

زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ‘‘۔ (۳۱)

ترجمہ:’’ان کے اموال سے صدقہ وصول کر جس کے ذریعے ان کے اندر کی تطہیر اور تزکیہ کر۔‘‘

آپ ﷺ نے زکوٰۃ وصدقات کا مقصد بتاتے ہوئے فرمایا:

’’ واتقوا الشح فإن الشح أهلک من كان قبلكم، حملهم علٰى أن سفكوا دمائهم واستحلوا محارمهم‘‘۔ (۳۲)

ترجمہ:’’(زکوٰۃ وصدقات دیا کرو) اور نفس کی کنجوسی وبخل سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ بخل وکنجوسی (نفس کا ایسا رذیل خلق ہے جس) نے تم سے پہلوں کو ہلاک کر ڈالا، جس کے سبب انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام چیزوں کو حلال گردانا‘‘۔

اس سے صاف ظاہر ہے زکوٰۃ، صدقات وانفاق فی سبیل اللہ کا اصل مقصد انسان کے اندر کا تزکیہ ہے۔

حج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِيْ الْحَجِّ‘‘۔ (۳۳)

ترجمہ:’’جو شخص حج کے مہینوں میں حج کی نیت کرے، اُسے چاہیے کہ (عورتوں سے) چھیڑ چھاڑ نہ کرے، نافرمانی اور لڑائی جھگڑا نہ کرے‘‘۔

’’ وَ تَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ‘‘۔ (۳۴)

ترجمہ:’’سفر کا سامان اپنے ساتھ لے کر نکلو، کیونکہ بہترین توشہ تقویٰ ہے‘‘۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ من حج للّٰه فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه ‘‘۔ (۳۵)

ترجمہ:’’جس نے خدا کی رضا کے لیے حج کیا اور اس میں اپنے آپ کو گناہ اور

نافرمانی سے بچایا، وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہوکر لوٹا جیسے گویا اس کی ماں نے آج اُسے جنم دیا ہے‘‘۔

ان آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہوا کہ ارکانِ اربعہ کا اصل مقصد تزکیہ وتطہیرِ قلب ہی ہے، جس کا صوفیائ درس دیتے ہیں۔

مصادر ومراجع

۱......ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان: کشف المحجوب، اردو ترجمہ عبدالرحمٰن طارق، لاہور، ادارہ اسلامیات، طبع اول: 2005ء، ص:۴۱۶۔

۲......چشتی، پروفیسر یوسف سلیم: تاریخ تصوف، لاہور، دارالکتاب، طبع اول: ۲۰۰۹ء، ص: ۱۱۵۔

۳......القشیری، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن: الرسالۃ القشیریہ، ترجمہ محمد عبدالنصیر العلوی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص: ۴۱۶۔

۴......البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل: صحیح البخاری، الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، طبع دوم: ۱۹۹۹ء، ص: ۱۲، حدیث: ۵۰۔

5......بھٹو حافظ محمد موسیٰ: تصوف واہلِ تصوف، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ حیدرآباد، ص: ۱۱۵۔

۶......مرزا قلیچ بیگ: مقالات الاولیاء، سندھ پرنٹنگ، پریس، نوشہری دروازہ شکارپور، ۱۹۲۷ء ص: ۱۵۔

۷......مولانا محمد زکریا: شریعت وطریقت کا تلازم، طبع اول: ۱۹۹۳ء، ص: ۱۰۲۔

8......کشف المحجوب، ص: ۶۷۔

9......امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی: مکتوبات امام ربانی، کراچی دارالاشاعت، طبع اول: ۲۰۰۶ء، مکتوب: ۳۵، جلد اول، ص: ۱۹۱۔

10......بھٹائی شاہ عبداللطیفؒ: شاہ جو رسالو، مرتب کلیان آدوانی، روشنی پبلیکیشن کنڈیارو، طبع اول، ۱۹۹۷ء، سُر سریراگ، داستان: اول، ص: ۱۱۴۔

۱۱......شاہ جو رسالو، سریمن کلیان، داستان: ۷، ص: ۹۴۔

۱۲......البقرۃ: ۱۶۵۔

۱۳......التوبہ: ۲۴۔

۱۴......الخطیب محمد بن عبداللہ: ’’مشکوٰۃ المصابیح‘‘ کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص: ۱۴۔

۱۵......ایضاً، ص: ۲۲۰۔

۱۶......شیخ احمد سرہندی: مکتوبات، مکتوب: ۸۷، جلد اول، ص: ۲۷۹۔

۱۷......آل عمران: ۳۱۔

۱۸......النساء: ۸۰۔

۱۹......النجم: ۳، ۴۔

۲۰......النساء: ۸۰۔

21......صحیح بخاری، کتاب الایمان، ص: ۶، حدیث: ۱۵۔ القشیری، ابوالحسین مسلم بن حجاج: صحیح مسلم، الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، طبع دوم: ۲۰۰۰ء، ص: ۴۱، حدیث: ۱۶۹۔

۲۲......مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۰۔

۲۳......شاہ جو رسالو: سریمن کلیان، ص: ۹۰۔

۲۴......البقرۃ: ۱۲۹۔

۲۵......الجمعۃ: ۲۔

۲۶......الشمس: ۹، ۱۰۔

۲۷......العنکبوت: ۴۵۔

۲۸......ابن ابی حاتم، بحوالہ ’’تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، طبع: ۴۴، ۲۰۰۷ء، ج: ۳، ص: ۷۰۷۔

۲۹......البقرۃ: ۱۸۳۔

۳۰......ابوعیسیٰ: جامع ترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، طبع اول: ۱۹۹۹ء، حدیث: ۷۰۷۔

۳۱......التوبہ: ۱۰۳۔

۳۲......صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، ص: ۱۶۴۔

۳۳......البقرۃ: ۱۹۷۔

۳۴......البقرۃ: ۱۹۷۔

۳۵......صحیح بخاری، کتاب الحج، حدیث: ۱۵۲۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث: ۳۲۹۱۔

(جاری ہے)

تقلید پر ایک فی البدیہ جواب

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

ہم ایسے واقفانِ رازہائے شہرِ خوش بختاں
وہاں پلکیں بچھاتے ہیں، وہاں دستک نہیں دیتے

میں اپنے سابق رفیق کار اور پرنسپل پروفیسر ظہور احمد ملک سے ملنے کی غرض سے ان کے موجودہ ادارے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد مین گیٹ سے داخل ہوا۔ موصوف اپنے شعبہ فزکس ڈیپارٹمنٹ میں طلبہ کو پریکٹیکل کروا رہے تھے۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جیسے ہی طلبہ سے فارغ ہوئے، میرے سامنے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوگئے۔ گورنمنٹ کالج جھنگ کے دوران میں نے اُنہیں اکثر دیکھا تھا کہ تلاوتِ قرآن یا درودِ پاک کا ورد کرتے نظر آتے تھے۔ اس مصروفیت اور کالج کی نگرانی کی ذمہ داری کے باوجود اپنے رفقائے کار سے مسکراہٹ کے ساتھ ملا کرتے تھے۔ اب جیسے ہی وہ تشریف فرما ہوئے، ان کے معاون لیبارٹری اٹنڈنٹ جو ماشاء اللہ! چہرے پر سنت سجائے گردن سے تقلید کا جوا پرے پھینکے میرے دائیں جانب کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیئے، وہ بیٹھتے ہی گویا ہوئے ''جی تقلید کیوں کرتے ہیں؟ تقلید کا کیا ثبوت ہے؟ عربی کا پروفیسر ہوکر بھی آپ فقہ کو مانتے ہیں؟ براہِ راست قرآن وحدیث پر کیوں نہیں چلتے؟''۔

یا اللہ! یہ کیسا استقبال ہے؟ میں ایسے سوالوں کے جواب کی تیاری کرکے تو نہ آیا تھا۔ یا اللہ! میں تو آپ کی رضا کے لیے آپ کے محبوب بندوں علمائے راسخین کی تقلید کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں، اب آپ ہی جواب بتا دیجئے! بس جیسے ہی اللہ کی طرف رجوع کیا، جواب دل تک پہنچ چکا تھا۔ موصوف پروفیسر محترم ظہور احمد ملک صاحب حسب عادت مسکرا رہے تھے، شاید وہ بھی میری عاجزی ولاجوابی دیکھنا چاہتے تھے، وہ بھی عدم تقلید ہی کے مسلک پر تھے، مگر کبھی کسی سے کج بحثی نہ کرتے تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے میری زبان پر آیت پاک جاری کردی تھی:

''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا''۔ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ:...... ’’جو کوئی بھی رسول کی مخالفت کرے گا، بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا اور اہل ایمان کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو لے گا تو ہم اُسے ادھر ہی چلا دیں گے جدھر وہ منہ کرے گا (یعنی ضد، تعصب اور کفر و ضلال میں) پھر اُسے جہنم رسید کر دیں گے اور وہ تو برا ٹھکانا ہے‘‘۔

اس مقدس آیت میں رسول ﷺ کی مخالفت کو اتباع غیر سبیل المؤمنین قرار دیا گیا، اتباع سبیل المؤمنین بشمول اول مؤمنین (اصحابؓ رسول) ہی اتباع رسول علیہ السلام ہے، ورنہ یہاں سبیل المؤمنین کی جگہ سبیل الرسول ہوتا۔ جب کہ اللہ خود سبیل المؤمنین چھوڑنے کو مخالفت رسول، شقاق الرسول قرار دے رہے ہیں، دوزخ سے نجات کی راہ سبیل المؤمنین کو فرما رہے ہیں۔ اگر اصحابؓ رسول اور تابعینؒ، تبع تابعینؒ، محدثینؒ، ائمہؒ، فقہاءؒ، علماء راسخین کی راہ اللہ پاک کی بتائی ہوئی، نبی کی چل کر دکھائی ہوئی راہ سے مختلف راہ ہوتی تو اللہ یہاں سبیل المؤمنین نہ فرماتے، سبیل الرسول یا سبیل النبی فرماتے۔ اور سبیل اللہ یا سبیل القرآن والحدیث تو اصطلاح ہی غلط ہے۔ سبیل راہ کو کہتے ہیں جس پر کوئی چلتا ہے، قرآن اور حدیث تو چلتے نہیں اور اللہ بھی چلنے کی صفت سے پاک ہے۔ ہاں! نبی اور رسول چلتے ہیں، مگر نبی اور رسول ﷺ کی ذات وصفات اتنی بلند ہیں کہ اسے اصحابؓ رسول کے بغیر کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، لہٰذا حکم ہوا کہ جو کچھ صحابہؓ نے رسول ﷺ سے سمجھا وہی حق ہے، بس تم ان کے پیچھے چل لو اور تم نے جب رسول ﷺ کو دیکھا ہی نہیں تو تم ان کی بات اور عمل کو کیسے سن اور سمجھ سکتے ہو؟۔

میں نے عرض کیا: اسلام صرف نظریہ کا نام نہیں، پریکٹیکل یعنی ایک عمل کا نام ہے۔ اسلام ایک عملی طریق حیات ہے، جس میں ایمان باللہ اور ایمان بالرسول بنیاد ہے، آپ لوگ طبیعیات کے قواعد وقوانین پر تقریر کرتے ہیں، پھر پریکٹیکل اپنی نگرانی میں کرواکے طلبہ کو ماہر سائنس دان بناتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان لانے والوں کو ماہر ایمان بنایا، اللہ نے ان کو معیارِ ایمان، مدارِ ایمان قرار دے دیا: ’’فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا‘‘۔ (البقرۃ:۱۳۷) نبی کریم ﷺ نے اپنے کو اور اپنے صحابہؓ کو انتخابِ الٰہی قرار دینے کے بعد اعلان فرما دیا کہ: ’’لاتمس النار مسلماً رأنی أو رأیٰ من رأنی‘‘۔ (الحدیث)...... کہ ’’اب میرے دیکھنے والوں اور مجھے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو بھی آگ نہ چھوئے گی۔‘‘ کیونکہ آگ تو کھوٹ دور کرنے کے لیے ہوتی ہے اور میرے صحابہؓ و تابعینؒ میں کھوٹ رہا کہاں؟۔

مزید ارشاد ہوا: ’’خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم‘‘۔ تینوں طبقات خیر والے ہیں، میرے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین۔ انہی تینوں طبقات میں ائمہ حدیث، ائمہ فقہ ہوئے

اور قیامت تک آنے والی تبدیلیوں، جدید مسائل اور مشینی سائنسی ادوار کے لیے رہنما اصول دے گئے۔

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ تابعی ہیں، امام مالکؒ تابعی ہیں، مدینہ منورہ میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مذاکرہ میں، مسائل میں بحث فرمایا کرتے تھے۔ دیگر تمام ائمۂ فقہ: امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور ائمہ صحاح ستہ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ سمیت تقریباً تمام ائمۂ حدیث امام اعظمؒ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ (بحوالہ کتب حدیث وکتب اسماء الرجال)

آج اگر کوئی دعویٰ کرے کہ جی ہم تو براہِ راست قرآن اور حدیث سے اپنا دین لیں گے تو ہمیں براہِ کرم یہ بتا دیا جائے کہ ان ائمۂ ہدیٰ، ائمۂ حدیث، ائمۂ فقہ کو چھوڑ کر دین لیں گے کہاں سے؟ اصحاب رسولؓ نے عملی دین خاتم المعصومین ﷺ سے لیا۔ ائمۂ حدیث وفقہ نے اصحاب رسولؓ سے لیا۔ ائمۂ حدیث نے الفاظِ رسولؐ کو حکایت کیا۔ ائمۂ فقہ نے استنباط واستخراج کیا۔ آج بھی اگر کوئی نئی صورت، نیا مسئلہ پیش آتا ہے تو علماء راسخین اجتہاد کریں گے، مگر کیا ہر فزکس پڑھا آدمی جسے عربی کی ابجد بھی نہ آتی ہو، قرآن وحدیث سے استنباط کرسکتا ہے؟ میں عربی لغت کا طالب علم کیا فزکس کا پریکٹیکل کروا سکتا ہوں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو قرآن وحدیث سے استنباط بھی علمائے راسخین اور فقہائے مجتہدین کریں گے اور یہ علماء وفقہاء بھی ائمہ خیر القرون اور اصحابؓ رسول کے اجتہادات کو نظر انداز کرکے رسول ﷺ اور پروردگارِ رسول تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ اسی عمل کو استنباط واستخراج، تفقہ اور قیاس اور اسی کے ماننے کو ''تقلید'' کہتے ہیں۔

اگر آج کے دعویٰ کرنے والوں سے کہ وہ براہِ راست قرآن وحدیث سے اپنا دین لیتے ہیں، پوچھا جائے کہ آیا ان کے نظریہ کے سارے لوگ قرآن اور حدیث کو براہِ راست سمجھتے ہیں؟ کیا امت کے سارے لوگ عربی علوم اور نبوی علوم جانتے ہیں؟ تو جواب یقیناً نفی میں ہوگا، وہ اپنے علماء ہی سے پوچھیں گے اور سمجھیں گے۔ علماء حدیث اور علماء فقہ سے پوچھنے اور اس پر عمل کا نام ہی تقلید ہے۔ عربی قواعد میں ایک علم کا نام ''صرف'' ہے، جس کی باریکیاں ایسی ہیں کہ مشہور ہوگیا: ''**دعا یدعو** دے ٹھے، ہل و ہیندے ڈِ ٹھے''، یعنی صرف ایک گردان ''**دعا یدعو**'' کے اندر اتنی تبدیلیاں اور باریکیاں ہیں کہ کئی طالب علم اُسے چھوڑ کر بھاگ جاتے اور جسمانی مشقت کا مشکل کام ہل چلانا اختیار کرلیتے۔

اب فیصلہ آپ حضرات پر ہے کہ فقہ وقیاس کی پکی پکائی روٹی لے لیں یا کاشت، برداشت، پھر ہاتھ اور منہ تک پہنچنے والے تمام مراحل وہ بھی بغیر عملی سکھلائی خود اختیار کرلیں۔

وہاں کچھ اور ہی اسلوب ہیں آواز دینے کے
وہاں پر میرے انجم، میری جاں، دستک نہیں دیتے

علم النغمات یا قرآن کریم کے لہجات کا فن

مولانا عزیز احمد یوسف زئی

پوری دنیا میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے قاری کی قراءت سات لہجات میں سے کسی بھی لہجے سے باہر نہیں ہوتی، یعنی اس کی قراءت سات لہجوں میں سے کسی ایک لہجے کے موافق ضرور ہوگی۔ وہ سات لہجات اہل فن نے اس جملے میں جمع کئے ہیں: ''صنع بسحر ''، ''ص'' سے صباء ''ن'' سے نہاوند ''ع'' سے عجم (چہارگاہ) ''ب'' سے بیات ''س'' سے سیگاہ ''ح'' سے حجاز اور ''ر'' سے رست۔ اس فن کو علم النغمات بھی کہتے ہیں، علم المقامات بھی کہتے ہیں، ترانیم قرآنی بھی کہتے ہیں اور اس کو لہجات کا علم بھی کہا جاتا ہے۔

بلادِ عرب یعنی مصر، امارات، سعودیہ، شام، عراق اور دیگر ممالک جیسے: ایران، انڈونیشیا وغیرہ میں اس علم کو سیکھنے کا کافی اہتمام کیا جاتا ہے اور بعض ممالک میں تو اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ قراء کے علاوہ بعض عام لوگ بھی اس فن کو جانتے ہیں، لیکن برصغیر یعنی پاکستان، ہندوستان اور افغانستان اور دیگر وہ ممالک جہاں کی اکثریت عجمیوں پر مشتمل ہے، وہ اس فن سے ناواقف ہیں۔ بلکہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ان ممالک کے اکثر خواص، مشہور قراء اور علماء کو بھی اس فن سے مناسبت نہیں۔ راقم الحروف بذات خود اس فن کا طالب علم ہے، اس لیے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس علم اور اس فن کے متعلق کچھ بنیادی باتیں لکھ لی جائیں، تاکہ اس فن کو بھی سیکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

علم النغمات اور قرآن کریم کے لہجات کو سیکھنے سے پہلے جو چیز سب سے اہم اور ضروری ہے، وہ ہے قرآن مجید کو اچھی طرح تجوید سے پڑھنا اور اس کی تلاوت کے دوران تجوید کے تمام قواعد کا مکمل خیال رکھنا۔ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تجوید سے ادائیگی میں کمزور ہے تو وہ پہلے تجوید سیکھے، قرآن کے حروف کے ادائیگی میں درستگی اور پختگی پیدا کرے، اس کے بعد نغمات اور لہجات سیکھے۔

علم النغمات کا تعلق قرآن مجید کے جمالیاتی پہلو سے ہے۔ خوبصورت اور اچھی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کا شریعت مطہرہ بھی حکم دیتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لیس منا من لم یتغنّ بالقرآن ''...... ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن مجید کو

اچھی آواز اور خوبصورت انداز میں نہ پڑھے‘‘۔حضور ﷺ نے فرمایا:’’**ونعم النعمة الصوت الحسن**‘‘......’’بہترین نعمت اچھی آواز کا ہونا ہے‘‘۔اور حضور ﷺ کا ارشادگرمی ہے:’’**زینوا القرآن بأصواتکم ، فإن الصوت الحسن یزید القرآن حسناً**‘‘......’’قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے زینت دو، مزین کرو، اس لیے کہ اچھی آواز قرآن کے حسن اور خوبصورتی کو بڑھاتی ہے‘‘۔اسی طرح آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے:’’**إقرؤا القرآن بألحان العرب وأصواتها**‘‘...... ’’قرآن مجید کو عربوں کے طرز اور لہجوں میں اور عربوں کی آواز میں پڑھو‘‘۔یعنی ان کی آوازوں کی نقل اتارتے ہوئے ان کی تقلید کرو۔ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اچھی آواز اور اچھے انداز سے تلاوت کرنا نہ صرف مستحسن اور بہترین عمل ہے، بلکہ شریعت مطہرہ کا حکم بھی ہے اور قرآن مجید میں بھی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کا حکم دیا گیا ہے:’’وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً‘‘۔اور علم النغمات بھی اچھے انداز سے قرآن کی تلاوت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ یہ بھی علم شرعی ہے اور شریعت میں بھی اس کی حیثیت اور مقام ہے۔البتہ اس فن کے اپنے قواعد اور ضوابط ہیں، جن کے دائرے میں رہتے ہوئے اس فن کو استعمال کیا جاسکتا ہے، مثلاً مقصود اصلی صرف اور صرف لہجات اور نغمات نہ ہوں اور نہ ہی سارا دھیان ایک لہجے سے دوسرے لہجے کی طرف منتقل ہونے میں ہو، یہ بھی نہ ہو کہ لہجات کا اس قدر خیال رکھا جائے کہ تجوید کے قواعد کی خلاف ورزی کرنی پڑے اور قرآن مجید کے معانی اور مفاہیم میں جو غور کرنا ہو، وہ بھی چھوٹ کر ساری کی ساری توجہ لہجات پر لگ جائے۔

سب سے اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ اس فن کو ہم کیوں سیکھیں؟ اس فن کا مقصد کیا ہے؟ اس فن کے سیکھنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کی آیات کے معانی ومفاہیم کی گہرائی میں اتر کر ان کو اس انداز سے پڑھیں کہ گویا ہمارا رب ہم سے مخاطب ہے، یعنی ہم ان آیات کو مجسم انداز میں پیش کر دیں، مثلاً: قرآن مجید میں کئی طرح کی آیات‘ عذاب اور کفار وفساق کے لیے سزاؤوں پر مشتمل ہیں تو ان آیات کو ہم انتہائی حزن اور غم کے انداز میں پڑھیں یا قرآن مجید میں جنتیوں کے لیے بشارتوں کا ذکر ہے تو ان کو ہم خوشی کے طرز اور لہجے میں پڑھیں، یہی اس فن کا مقصد ہے۔

کل سات لہجات ہیں، جو ہم نے ابتدا میں ذکر کر دیئے اور یہی سات لہجات اصلی ہیں، باقی ان لہجات کی فروعات اور شاخیں ہیں جو انہی اصلی لہجات کو ملا کر بنائی جاتی ہیں، جن کو ہر لہجہ کے ساتھ ضمناً ذکر کیا جائے گا۔ان لہجات کی مشق کسی ایسے مشاق قاری سے کی جائے جو اس فن کو جانتا ہو اور اس فن میں ماہر ہو، ورنہ مضمون پڑھنے سے آپ صرف لہجات کے نام جانیں گے یا زیادہ سے زیادہ لہجات کے موارد کا پتہ چلے گا کہ کن آیتوں میں کونسا لہجہ استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات میں استعمال کے وقت ان لہجات کی ترتیب مختلف ہے، بلکہ ہر قاری کے لہجات کے پڑھنے کی ترتیب دوسرے سے اکثر مختلف ہوتی ہے، لیکن اکثر قراء ابتدا میں بیات ہی کو استعمال کرتے ہیں۔

''صنع بسحر'' کی عبارت کی ترتیب پر ہر لہجے کا تعارف میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

۱:......**صباء**

لغت میں صباء مطلع شمس یعنی مشرق سے چلنے والی ہوا کو کہتے ہیں۔ یہ غم اور حزن کا لہجہ ہے اور جب انسان اس لہجے کو سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں غم، حسرت اور خوف کی کیفیت کو یہ لہجہ اجاگر کرتا ہے۔ یہ انتہائی خوبصورت لہجہ ہے کہ اس میں بیک وقت حزن اور جمال دونوں کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کی وہ آیات جو حزن، غم، حسرت اور الم پر مشتمل ہیں، وہ اس لہجے میں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ آیات جو جنت اور اس کی نعمتوں کے ذکر پر مشتمل ہوں، وہ اس لہجہ میں نہیں پڑھی جائیں گی، وہ آیات جن میں جہنمیوں کا ذکر ہو یا فساق و فجار پر عذاب کا ذکر ہو یا وہ آیات جو حسرت اور ندامت کے مضمون کو بیان کرتی ہوں، ان کو صباء لہجہ میں پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

جاننا چاہیے کہ ہر لہجہ میں قراءت کے تین درجات ہوتے ہیں: قرار، جواب، جواب الجواب۔ قرار: ابتدائی درجہ ہوتا ہے، جس میں آواز ذرا پست اور نچلے درجے کی ہوتی ہے۔ جواب: دوسرا درجہ ہوتا ہے، جس میں آواز کا درجہ پہلے کی بنسبت ذرا بلند ہوتا ہے اور جواب الجواب: تیسرا اور آخری درجہ ہوتا ہے، جس میں آواز کو بہت زیادہ اٹھایا جاتا ہے اور لہجات کے ان تینوں درجوں کی رعایت قراء کے ہاں متداول ہے۔ صباء کی کئی شاخیں ہیں، جن میں مقام منصوری ہے، مقام الحدیدی ہے اور بعض قراء کے نزدیک رمل بھی صباء کی شاخ ہے۔ اس مختصر مضمون میں فروعی مقامات پر بحث مقصود نہیں ہے۔

البتہ مختصراً یوں سمجھیں کہ مقام منصوری کو حزن الرجال بھی کہتے ہیں، یعنی اس کو ادا کرتے ہوئے گویا قاری روتا ہے یا رونے والے کا انداز اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح صباء کی اور بھی شاخیں ہیں: صباء زمزم، صباء عشاق۔ مقام حدیدی کو مدِّ عوض پر پڑھا جاتا ہے، یعنی جہاں تنوین منصوب ہو۔ شام، عراق، مصر وغیرہ ممالک میں صباء کو پڑھنے کے الگ طریقے ہیں۔ اصل لہجہ میں سب متفق ہیں، صرف ناموں کی حد تک کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ صباء کے بعد عموماً عجم لہجہ پڑھا جاتا ہے۔ صباء غم کی آیتوں میں پڑھا جاتا ہے اور جب غم کی آیتیں ختم ہو جائیں اور غم اور عذاب سے چھٹکارے کا ذکر شروع ہو تو ان کو عجم میں پڑھا جاتا ہے، اسی طرح قرآن کی وہ آیتیں جو تذکیر اور تنبیہ پر مشتمل ہوں، وہ بھی اسی صباء کے لہجے میں پڑھی جاتی ہیں۔ عجم کی دو شاخیں ہیں: عجم عشیران، عجم خِلْوَتی۔

۲:......**نہاوند**

یہ نہاوند علاقے کی طرف منسوب ہے۔ یہ لہجہ اصل میں خوشی کا ہے، لیکن کچھ درجہ اس میں غم کی آمیزش بھی ہے، اس لیے اس لہجہ کو صرف خوشی میں منحصر کرنا درست نہیں ہے۔ یہ لطیف مقامات میں سے ہے اور نرمی، شفقت اور محبت کا عنصر اس لہجہ میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ علم النغمات کے اساتذہ

کہتے ہیں کہ نہاوند لہجہ گلاب کے خوش رنگ اور صاف پھول کی طرح ہے، جس کی پتیاں پانی سے تر ہوں، یہ لہجہ انسان کی طبیعت میں محبت، فرحت، خوشی اور تر وتازگی کی کیفیت کو اجاگر کرتا ہے اور جوش وجذبہ والے اشعار اکثر اس لہجے میں پڑھے جاتے ہیں۔ کبھی اس لہجہ میں اذان بھی دی جاتی ہے، لیکن اس لہجہ میں اذان غیر معروف ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات جو جنت اور جنتیوں کے ذکر پر مشتمل ہوں، جن آیات میں نعمتوں کا ذکر ہو، خوشی اور فرحت کے مضمون پر مشتمل ہوں، یا وہ آیتیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی انسانوں یا بشریت پر احسانوں اور مہربانیوں کا ذکر ہو یا جنت اور اس کے بالاخانوں، حور وغلمان کا تذکرہ ہو، ان آیات کو اس لہجہ میں پڑھنا زیادہ مناسب اور زیادہ افضل ہے۔ کچھ درجہ اس میں ذرا سا غم کا پہلو بھی پایا جاتا ہے، اس لیے وہ آیات جو قیامت کے دن اور اس کے احوال کے ذکر پر مشتمل ہوں، وہ بھی اس لہجہ میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس فن کے بعض علماء کے نزدیک وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا ذکر ہو یا اخلاق واحکام اور عبادات اور دعا کا ذکر ہو، وہ بھی اس لہجہ میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ ٹھہراؤ اور سکون والا لہجہ ہے، اسی لیے بعض قراء اس کو فجر کے اوقات میں زیادہ پڑھتے ہیں۔ قصص قرآنی بھی اس لہجے میں پڑھے جاسکتے ہیں۔ نہاوند لہجہ سے پہلے اور بعد میں حجاز، صباء، جہارکاہ (چہارگاہ) پڑھے جاسکتے ہیں اور اکثر نہاوند کے بعد ''رست'' لہجہ پڑھا جاتا ہے اور ''بیات'' بھی اس سے پہلے اور بعد میں پڑھ سکتے ہیں۔ اس لہجہ کو صدیق منشاویؒ، مصطفیٰ اسماعیلؒ اور شحات انورؒ بہت اچھے انداز میں پڑھتے تھے۔ مقامِ نہاوند کی بہت سی شاخیں ہیں، جیسے: ''نوا'' ہے، ''خَنَبَات'' ہے، ''صُبّی'' ہے۔ یہ سب اہل عراق کے نزدیک ہیں۔ بعض اہل فن کے ہاں نکریز (نگریز) بھی نہاوند کی شاخ ہے اور نہاوند کے جواب الجواب میں جو آواز انتہائی درجہ تک اٹھائی جاتی ہے، یہی نکریز ہے اور بعض اہل فن نکریز کو جہارکاہ اور صباء کا مجموعہ سمجھتے ہیں اور یہی ''نکریز'' (جو جہارکاہ اور صباء سے بنے) اس کی ادائیگی مشکل بھی ہے اور یہ قلیل الاستعمال بھی ہے۔

۳......عجم یا چہارگاہ یا جہارکاہ

لغت میں 'عجم' عرب کے علاوہ لوگوں کو کہا جاتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ لہجہ کسی اور زبان والوں کا ہے، یہ عرب ہی کا لہجہ ہے اور اصلی مقام ہے۔ قراء مصر کے ہاں عجم صباء کی شاخ ہے اور چہارگاہ اس کی شاخ ہے، صحیح یہی ہے کہ چہارگاہ ہی اصلی لہجہ ہے، لہٰذا ہم یہاں چہارگاہ پر بحث کریں گے اور اسی کے متعلق بتائیں گے۔ عجم جو صباء کی شاخ ہے، اس پر بحث ہوچکی ہے۔ عجم اور چہارگاہ میں اختلاف صرف لفظوں کی حد تک ہے، ایک ہی لہجہ پڑھا جاتا ہے، نام اس کے دو رکھ دیئے گئے ہیں، کوئی اُسے عجم کہتا ہے، کوئی چہارگاہ، البتہ میری ناقص معلومات کے مطابق اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض قراء چہارگاہ کے ابتدائی دو درجوں یعنی قرار اور جواب کے بعد جواب الجواب میں عجم

پڑھتے ہیں، جو صباء کی شاخ ہے اور اس عجم کی وجہ سے قرار اور جواب دونوں درجوں کو بھی عجم کہہ دیتے ہیں، جو درحقیقت چہارگاہ ہی کے لہجے میں پڑھے جاتے ہیں۔

مقام چہارگاہ قوتِ جلال اور عظمت کا لہجہ ہے، اسی لیے قرآن کی وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی اور عظمت پر مشتمل ہوں، ان کو چہارگاہ میں پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ اس لہجہ میں کچھ درجہ غم اور حزن بھی ہوتا ہے، لیکن اس لہجہ میں مرکزی اور اساسی نکتہ قوت، عظمت، استقامت اور جلال کا ہے اور چہارگاہ کے جواب الجواب کو بعض قراء لحن الہندی کا نام دیتے ہیں اور چہارگاہ عموماً ''رست'' کے بعد پڑھا جاتا ہے اور صباء اور حجاز کے بعد بھی اس کو پڑھ سکتے ہیں۔

۴…… بیات

یہ عراق کے ایک قبیلے کی طرف منسوب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس لہجہ میں تین امتیازی صفات پائی جاتی ہیں:

۱……اس کی ادائیگی بہت آسانی اور سہولت سے ہوتی ہے اور اس کا سیکھنا بھی بہت آسان ہے کہ اکثر قراء اسی لہجہ سے اپنی تلاوت کی ابتدا کرتے ہیں۔

۲…… یہ لہجہ ہر مقام کے قریب اور مناسب ہے، یعنی اس لہجہ کے بعد ہر ایک لہجہ پڑھا جاسکتا ہے۔

۳…… یہ ایسا لہجہ ہے جسے سن کر سامع اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا ہے، اسی طرح حدر میں اس کو پڑھا جائے تو اس کی ادائیگی الگ انداز سے ہوتی ہے اور ترتیل میں الگ انداز سے اور ہر قاری اس کو الگ خوبصورتی سے پڑھتا ہے۔ یہ لہجہ عراق سے حجاز منتقل ہوا، اہل حجاز نے اس میں مزید اضافات کیے اور پھر ترکی، شام، اور دیگر ممالک میں پھیلا اور ہر علاقے والوں نے اس میں مزید خوبصورتی کا اضافہ کیا۔ اس لہجہ کو ''ام المقامات''، یعنی تمام لہجات کی اصل یا ماں کہا جاتا ہے۔ یہ بہت وسیع لہجہ ہے، اس میں خوشی کی آمیزش بھی ہے اور غم کی بھی اور بہت عربی اسلامی نظمیں اور نعتیں اس لہجہ میں پڑھی جاتی ہیں اور اس لہجہ میں اذان بھی دی جاتی ہے۔ اس لہجہ کو عظمت اور جلال والی آیتوں میں پڑھا جاسکتا ہے اور نرمی اور رقت والی آیتوں میں بھی۔ نیز قرآن مجید کی وہ آیات جو مکالمات اور حوادث پر مشتمل ہیں، اسی طرح وہ آیتیں جو دعا پر مشتمل ہیں، اسی طرح وہ آیتیں جن میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا گیا ہے یا وہ آیات جو خالق اور مخلوق کی عظمت پر مشتمل ہیں، اسی طرح قرآن مجید کی چھوٹی سورتیں اکثر اس لہجہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس لہجہ سے پہلے اور بعد میں ہر لہجہ پڑھا جاسکتا ہے۔ بیات کی کئی فروعات اور شاخیں ہیں: ۱:…… بیات اصلی، اس میں غم کا پہلو زیادہ ہوتا ہے اور بیات اصلی صباء کے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ ۲:…… بیات کُرد یا حجاز کا کُرد لہجہ بھی نرمی اور جمال میں ممتاز ہے اور اکثر اسی لہجہ میں قراء

صحت مند اور توانا آدمی کو بھیک دینا نااِنصافی ہے۔ (حضرت جیلانیؒ)

اپنی تلاوتوں کو ختم کرتے ہیں، جس کو بعض اہل فن بیاتِ صدقہ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ۳:...... بیات شوریٰ، اس کی ابتداء حجاز سے ہوتی ہے اور اختتام بیات پر، یہ لہجہ قلیل الاستعمال بھی ہے اور مشکل بھی۔۴:...... بیات حسینی۔ ۵:...... بیات ابراہیمی۔ ۶:...... بیات لامی۔ ۷:...... بیاتِ اصفہان۔۸:...... بیات دوگاہ۔۹:...... بیات نوا۔ یہ بھی بیات کی شاخیں ہیں۔

۵ ......سیگاہ یا سیکاہ:

بعض لوگ اس لفظ کو فارسی زبان کا سمجھتے ہیں۔ یہ مرکب ہے سہ اور گاہ سے، سہ بمعنی تین اور گاہ بمعنی مقام کہ یہ مقام اور لہجہ تیسرے نمبر پر اکثر پڑھا جاتا ہے۔ بیات اور رست پڑھنے کے بعد یہ لہجہ غم اور خوشی دونوں طرح کے مفہوم والی آیتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر قراء اس کو اپنی تلاوت کا محور اور مرکز بنا لیتے ہیں کہ دوسرے لہجات پڑھنے کے بعد دوبارہ سیگاہ پڑھتے یا ہر ہر لہجہ کے بعد سیگاہ پڑھتے ہیں۔ یہ لہجہ نہاوند، جہارکاہ، رست اور حجاز کے بعد پڑھا جا سکتا ہے اور بیات، حجاز اور رست کو سیکاہ کے بعد بھی پڑھنا ممکن ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں کسی بات کی خبر دینا مقصود ہو یا کسی قصہ پر مشتمل ہوں یا قیامت کے دن کے احوال پر مشتمل ہوں یا وہ آیات جو سوال اور جواب پر مشتمل ہوں یا استفہام پر مشتمل ہوں یا وہ آیتیں جن میں ایک نوع کی ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ ہو، ان کو اس لہجہ میں پڑھا جا سکتا ہے۔ سیکاہ کی ایک شاخ رمل ہے، جس کو سیکاہ کے وسط میں پڑھا جاتا ہے اور کسی خاص مفہوم کی تاکید بتلانے کے لیے رمل کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً: پہلے سوال گزرا ہو، اب اس سوال کے جواب والی آیت آ گئی تو اس کو سیکاہ میں پڑھیں گے۔

۶ ......حجاز

یہ لہجہ ارضِ حجاز کی طرف منسوب ہے۔ یہ مقام بھی بہت وسیع ہے، اس میں خشوع، حزن، غم، درد اور الم کی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ بہت ہی مشہور اور خوبصورت لہجہ ہے۔ اس لہجہ کو شیخ القراء مصطفیٰ اسماعیلؒ اور شیخ عبدالباسط عبدالصمدؒ اور امیر النغم شیخ شحات محمد انور رحمہم اللہ بہت ہی عمدگی سے پڑھتے تھے اور اس لہجہ میں اذان بھی بہت ہی مشہور ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیتیں جو قیامت کے اوصاف پر مشتمل ہوں یا ان میں غم، حزن، درد کا مفہوم ہو تو ان کو حجاز میں پڑھ سکتے ہیں، جس طرح ان کو صباء میں بھی پڑھا جاتا ہے۔ حجاز کو صباء اور سیگاہ کے بعد پڑھا جا سکتا ہے اور اسی طرح حجاز کے بعد نہاوند، سیگاہ، رست اور بیات پڑھے جا سکتے ہیں اور نہاوند اور صباء بہت ہی سہولت اور آسانی سے حجاز کے ساتھ پڑھے جا سکتے ہیں۔ حجاز کی کئی شاخیں ہیں: عراق والوں کے ہاں حجازِ دیوان اور حجازِ غریب اس کی شاخیں ہیں۔ اس کے علاوہ حجاز کی اور بھی شاخیں ہیں: حجاز ہمایوں، حجاز قطر، حجاز مثنوی، حجاز خویزاوی، حجاز مدمی۔ حجاز مدمی حد درجہ غمگین لہجہ ہے اور کرد قبائل کے ہاں اس کی اور

ایک شاخ ہے جس کو وہ لوگ آبغ کہتے ہیں، اسی طرح زنکران اور حجاز کار بھی حجاز کی شاخیں ہیں۔ حجاز کی ایک اور شاخ حجاز کا ئیکار بھی ہے، زنکران لہجہ قلیل الاستعمال ہے۔

۷......رست

اس کو رصد بھی کہتے ہیں۔ یہ فارسی لفظ راست (سیدھا، سچا) کا مخفف ہے۔ یہ بھی بہت وسیع اور جمیل مقام ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں قوت، صلابت اور رخامت پائی جاتی ہے اور اس میں وقار بھی پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے اس کو ملک المقامات (مقامات میں سب کا سردار) اور ابوالنغم کہا جاتا ہے۔ بیات کے بعد سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لہجہ رست ہے۔ اس لہجہ میں اذان بہت ہی مشہور ہے۔ شیخ عبدالباسطؒ اکثر اوقات اذان حجاز میں دیتے تھے اور راغب مصطفیٰ غلوش اکثر اوقات رست میں اذان دیتے ہیں۔ اس لہجہ کو بھی تلاوت کے لیے محور اور مرکز بنایا جاسکتا ہے کہ تمام تلاوت اسی لہجہ میں ہی کی جائے اور تبعاً دوسرے لہجے پڑھے جائیں۔ اس میں حزن بھی ہے اور جمال بھی۔ اس میں قرآن کی آیتوں کی تلاوت بہت مزین انداز سے ہوتی ہے اور اس لہجہ میں امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ اس کو ہر ایک پڑھتا ہے، چاہے وہ اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ ائمہ حرمین کی تلاوتیں اسی لہجہ میں ہیں۔ یہ ان آیات میں استعمال ہوتا ہے جو اکثر اللہ سے سوال اور دعا پر مشتمل ہوں، اسی طرح جن آیتوں میں اللہ کی حمد ہو، اسی طرح وہ آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ کے ناموں اسماء حسنیٰ کا ذکر ہو، اسی طرح قرآنی واقعات اور قصص اور فقہی احکام کی آیتیں، اسی طرح بعض قرآنی دعائیں اس لہجہ میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس لہجہ کو بیات اور نہاوند کے بعد عموماً پڑھا جاتا ہے اور رست کے بعد صباء، سیگاہ، چہارگاہ اور بیات پڑھے جاسکتے ہیں۔ شیخ سید متولی عبدالعالؒ، راغب مصطفیٰ غلوش، سید سعید اطہر بدوی اور بعض اوقات شیخ طبلاوی اس لہجہ میں اپنی پوری تلاوت کرتے ہیں اور اس کو محور بناتے ہوئے دوسرے لہجات پڑھنے کے بعد دوبارہ رست پڑھتے ہیں۔ بعض قراء کہتے ہیں کہ ماہور جہارکاہ کی شاخ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ماہور رست کا جواب الجواب میں انتہائی درجہ ہے۔

اب سب سے اہم سوال یہ رہ گیا کہ جو لوگ لہجات نہیں جانتے تو وہ اس فن کو کیسے سیکھیں؟ جواب یہ ہے کہ ان کبار قراء کی تلاوتیں سنیں جو اپنی تلاوت میں اکثر اوقات تمام لہجات پڑھتے ہیں، جیسے: شیخ القراء مصطفیٰ اسماعیلؒ ہیں، امیر النغم شیخ شحات محمد انورؒ ہیں، ان کی تلاوتیں بکثرت سننے کا التزام کریں، طرز آپ کے ذہن میں محفوظ ہو جائے گا اور ہر ہر لہجہ کا الگ طرز ہوتا ہے۔ یہی طرز محفوظ ہو گیا تو سمجھ لیں کہ آپ لہجات بھی سیکھ چکے ہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ اب طرز کی پہچان کون کرائے گا کہ یہ فلاں لہجہ کا طرز ہے تو اس کے لیے کسی ماہر اور لہجات کو سمجھنے والے قاری کی راہنمائی آپ کو لینی پڑے گی، جن کی تعداد ہمارے ملک پاکستان میں بہت کم ہے۔

قربانی کے احکام ومسائل

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

قرآن مجید میں سورۂ ''والفجر'' میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق:

''ألله أكبر ألله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر ألله أكبر ولله الحمد''۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد آوازِ بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح مرد وعورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بآوازِ بلند تکبیر نہ کہے، آہستہ سے کہے۔ (شامی)

عید الاضحیٰ کے دن مذکورہ ذیل امور مسنون ہیں:

صبح سویرے اُٹھنا، غسل ومسواک کرنا، پاک وصاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں بآوازِ بلند تکبیر کہنا۔

نمازِ عید:

نماز عید دو رکعت ہیں۔ نماز عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت

کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔پہلی رکعت میں ’’سبحانک اللّٰھم ‘‘ پڑھنے کے بعد قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔

☆......اگر دورانِ نماز امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو ازدحام کی وجہ سے نماز درست ہوگی، سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔

☆......اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا، یعنی ثناء ’’سبحانک اللّٰھم ‘‘ کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔

نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا مسنون ہے۔خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

فضائل قربانی:

قربانی کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد ہرسال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔جس عمل کو حضور ﷺ نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو تو یہ اُس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعید ارشاد فرمائی۔حدیث پاک میں بہت سی وعیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔علاوہ ازیں خود قرآن میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے۔جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو حجت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متأثر ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں یا یتیم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ عمل کی ایک تو صورت ہوتی ہے، دوسری حقیقت ہے۔قربانی کی صورت یہی ضروری ہے، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں، اس کی حقیقت اخلاص ہے۔آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

قربانی کی بڑی فضیلتیں ہیں:

مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔اون کے متعلق فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی

عمل محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لیے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں، الا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔ (طبرانی)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، اس لیے اہل اسلام سے درخواست ہے کہ اس عبادت کو ہرگز ترک نہ کریں جو اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں جن شرائط و آداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اُنہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔ قربانی سے متعلق مسائل آئندہ سطور میں درج کیے جارہے ہیں:

مسائل قربانی

مسئلہ نمبر:۱...... جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے، اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔

☆ ...... یعنی قربانی کے تین ایام (۱۰/۱۱/۱۲/ذوالحجہ) کے دوران اپنی ضرورت سے زائد اتنا مال یا اشیاء جمع ہو جائیں کہ جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو تو اس پر قربانی لازم ہے، مثلاً رہائشی مکان کے علاوہ کوئی مکان ہو، خواہ تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ضروری سواری کے طور پر استعمال ہونے والی گاڑی کے علاوہ گاڑی ہو تو ایسے شخص پر بھی قربانی لازم ہے۔

مسئلہ نمبر:۲...... مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر:۳...... قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہو جانے کے بعد درست نہیں۔ قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے، اگرچہ رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن افضل بقرہ عید کا دن، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر:۴...... شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لیے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ دیہات اور گاؤں والے صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بھی قربانی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں، اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لیے دیہات میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی بھی نمازِ عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگوا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۵...... اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے، یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروبِ شمس سے پہلے اتنا مال آجائے کہ صاحب نصاب ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

☆ ...... نیز اگر مسافر مالدار ہو، دورانِ سفر قربانی کے لیے رقم بھی ہو اور وہ پندرہ دن سے

کم عرصہ کے لیے رہائش پذیر ہونے کے باوجود بآسانی قربانی کرسکتا ہو تو قربانی کرلینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر:۶......قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کرسکتا ہو تو کسی اور سے بھی ذبح کرا سکتا ہے۔

☆......بعض لوگ قصاب سے ذبح کراتے وقت ابتداءً خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکبیر پڑھیں، اگر دونوں میں سے ایک نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی:۶/۳۳۴)

مسئلہ نمبر:۷......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں، دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۸......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

''إِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ، إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ،أَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ ''۔

اس کے بعد ''**بسم اللّٰه أللّٰه أکبر**'' کہہ کر ذبح کرے۔ (کذا فی سنن ابی داوٗد)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

''ألّٰلهم تقبّله منّی کما تقبّلت من حبیبک محمد وخلیلک إبراهیم علیهما الصلوٰة والسلام''۔

مسئلہ نمبر:۹......قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے نہیں، اولاد چاہے بالغ ہو یا نابالغ، مالدار ہو یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر:۱۰......درج ذیل جانوروں کی قربانی ہوسکتی ہے: اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔

بکرا، بکری، بھیڑ اور دُنبہ کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔

☆......گائے، بھینس اور اُونٹ وغیرہ میں سات سے کم افراد بھی شریک ہوسکتے ہیں، اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہوجائے۔ نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کرلیں، یہ بھی درست ہے۔ یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔

☆......اسی طرح اگر کئی افراد مل کر ایک حصہ ایصالِ ثواب کے طور پر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ سارے شرکاء اپنی اپنی رقم جمع کرکے ایک شریک کو ہبہ کردیں اور وہ اپنی طرف

سے قربانی کردے، اس طرح قربانی کا حصہ ایک کی طرف سے ہوجائے گا اور ثواب سب کو ملے گا۔

مسئلہ نمبر:۱۱......اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کرلوں گا اور بعد میں کسی اور کو قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت نہ تھی، بلکہ پورا جانور اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا اور اگر مالدار ہے تو شریک کرسکتا ہے، البتہ بہتر نہیں۔

☆......ایک جانور قربانی کرنے کے لیے خریدا، اگر اس کے بدلے دوسرا حیوان دینا چاہے تو جائز ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دوسرا حیوان کم از کم اسی قیمت کا ہو، اگر اس سے کم قیمت کا ہو تو زائد رقم اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر زبانی طور پر جانور کو متعین نہ کیا ہو، بلکہ یہ ارادہ کیا ہو کہ اگر اچھی قیمت میں فروخت ہو رہا ہو تو فروخت کردیں گے۔ اس صورت میں اصل قیمت سے زائد رقم اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر:۱۲......قربانی کا جانور گم ہوا، اس کے بعد دوسرا خریدا، اگر قربانی کرنے والا امیر ہے تو ان دونوں جانوروں میں سے جس کو چاہے ذبح کرے، جب کہ غریب پر ان دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔

وضاحت: اگر کسی آدمی نے قربانی کے لیے جانور خریدا اور خریدنے کے بعد وہ جانور قربانی کرنے سے پہلے گم ہوجائے تو صاحب حیثیت آدمی پر قربانی کے لیے دوسرا جانور خریدنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر قربانی شرعاً واجب تھی اور واجب ادا نہیں ہوا، جبکہ فقیر آدمی پر دوسرا جانور خریدنا اور قربانی کرنا لازم نہیں تھا، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور بھی خریدلیا، اب اگر مالدار اور غریب ہر دو کا پہلا گم شدہ جانور مل جائے تو امیر پر صرف شرعی واجب (قربانی) کا ادا کرنا لازم ہے، جس جانور کو ذبح کردے کافی ہے، جب کہ غریب پر خود سے واجب کردہ جانوروں کی قربانی کرنا لازم ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ امیر آدمی پر نصاب کی وجہ سے قربانی واجب تھی، اس نے وہ ادا کردی، اس کے حق میں جانور متعین نہیں ہوا تھا، اُسے اختیار ہے کہ جس جانور کو چاہے ذبح کردے، جبکہ غریب آدمی پر قربانی لازم نہیں تھی، غریب نے ازخود جانور خرید کر اپنے پر قربانی کو لازم کرلیا اور جو جانور اس نے خریدا وہ بھی متعین ہوگیا، اب پہلا جانور جو غریب کے حق میں قربانی کے نام سے متعین ہو چکا، اگر وہ گم ہوجائے تو اس کے بدلے دوسری قربانی لازم نہ تھی، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور خرید کر اپنے پر قربانی لازم کرلی، اس بنا پر فقیر آدمی پر دوسری قربانی بھی لازم ہوئی۔ لہٰذا غریب آدمی دونوں جانوروں کی قربانی کرے گا، بخلاف مالدار کے کہ اس پر صرف قربانی لازم ہے، جانور متعین نہیں ہے۔ دونوں جانوروں میں سے کسی ایک کی قربانی کردے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۳......قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکاء ہیں تو گوشت وزن کرکے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۴...... بھیڑ، بکری جب ایک سال کی ہو جائے، گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا تو اس کی قربانی جائز ہے، اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں! دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

☆......موجودہ دور میں جانوروں کو تول کر (وزن کر کے) خرید وفروخت کرنا بھی جائز ہے، ایسی قربانی بلاشبہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۵......قربانی کا جانور اگر اندھا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆......گائے اور بھینس کے دو تھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۶......اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لنگڑا ہے، یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھے پاؤں کا سہارا نہیں لیتا تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں، ہاں! اگر وہ چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۷......قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ ہونا چاہیے، اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆......بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاوے یا ریاء ونمود کے لیے خریدتے ہیں، ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۸......اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر اکثر دانت باقی ہوں، کچھ گر گئے ہوں تو قربانی جائز ہے۔

☆......اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی ہوسکتی ہے، تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۹......جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۰......اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متأثر ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں، جیسے: اونٹ تو بلا کراہت جائز ہے۔

☆......اسی طرح گائے، بکری وغیرہ کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۱...... خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہوگیا ہو تو پھر جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۲۲...... اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو تو مالدار شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بدلے خرید کر قربانی کرے، غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کرسکتا ہے۔

☆...... اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہوجائے، مثلاً: ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط کرنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر: ۲۳...... قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے لیے رکھے، ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء و مساکین کو دے، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لیے رکھے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۴...... قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کرکے اس کی قیمت فقراء کو دے، البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے تو سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم دین کا احیاء سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۵...... قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جاسکتا ہے، اس طور پر کہ اس کا عین باقی رہے، مثلاً: مصلیٰ بنائے یا رسی یا چھلنی بنائے تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۶...... قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام ومؤذن یا مدرس یا خادم کی تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی، نہ اس سے مدارس کی تعمیر ہوسکتی ہے اور نہ شفاخانوں یا دیگر رفاہی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر: ۲۷...... قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

☆...... اگر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہوگئی یا چھن گئی تو اُسے چاہیے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ کردے، اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر: ۲۸...... اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے، اور اگر جانور خریدا تھا، مگر قربانی نہیں کی تو بعینہٖ وہی جانور خیرات کردے۔

مسئلہ نمبر: ۲۹...... ایصال ثواب کے لیے قربانی کا گوشت خود بھی کھاسکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۰...... اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم و اجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اسی

طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر: ۳۱......قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے، البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ نمبر: ۳۲...... گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے، اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردے۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کردیا جائے۔

☆......قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اُسے صدقہ کرے، اگر بیچ دیا تو اس کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع: ۵/۷۸)

مسئلہ نمبر: ۳۳...... جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ یکم ذوالحجہ سے قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن۔ (ابوداؤد)

☆......البتہ اگر زیرناف اور بغل کے بالوں پر چالیس روز کا عرصہ گزر چکا ہو تو ان بالوں کی صفائی کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۴......قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھ سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۵...... جانور ذبح کرنے کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے، تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۶...... اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کو کھلا دے، خود کچھ بھی نہ کھائے تو ایسا کرسکتا ہے۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۷......خصی جانور کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی بہ نسبت گوشت زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۸...... ذبح کرتے وقت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہیے، مثلاً: ''**باسم اللّٰہ تقبل من فلان**''۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۹...... اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہو جائے تو قربانی واجب ہے، اس کے گوشت سے خود نہیں کھا سکتا، سارا فقراء اور مساکین کو کھلا دے۔

مسئلہ نمبر: ۴۰...... اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو تو اس کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہیں کرنا چاہیے۔ اگر شریک کیا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

ایسا شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہو، اس پر قربانی لازم نہیں، کیونکہ اس کا سارا مال واجب التصدق (بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری) ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے، بلکہ وہاں صرف پاکیزہ مال سے کیا ہوا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۴۱...... بکری کے علاوہ دوسرے کسی جانور میں تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ تقسیم کئے بغیر

فقراء کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

☆......البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کر رہے ہیں تو پھر تقسیم سے پہلے کسی فقیر کو دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر:۴۲......کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ کھائے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قربانی کی روح اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری یہ ظاہری قربانی حقیقی قربانی کے لیے پیش خیمہ ہو اور ہم اس ظاہری و مادی قربانی کی طرح اللہ کے حکم پر اپنی جان کی قربانی کے لیے بھی ہمیشہ تیار رہیں۔

واللّٰہ الموفق والمعین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

مجددِ اعظم

صوفی محمد اشفاق اللہ واجد مجددی۔ صفحات: ۱۱۰۲۔ قیمت: ۱۲۰۰ روپے۔ پاکستان میں ملنے کا پتہ: مکتبہ سراجیہ کندیاں شریف ضلع میانوالی۔ انڈیا میں ملنے کا پتہ: سید محمد صادق رضا صاحب، سجادہ نشین وخلیفہ مجاز روضہ شریف سرہند (انڈیا)

زیرِ تبصرہ کتاب کے مؤلف بہت ساری نسبتوں کے امین ہیں، اور کئی بزرگوں سے خلعت خلافت سے بھی نوازے گئے ہیں، اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی، آپؒ کے صاحبزادوں کے حالاتِ زندگی، نیز آپؒ کے خلفاء کے حالات مرتب کیے گئے ہیں۔

اس کتاب ''مجددِ اعظم'' میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خاندانی حالات کے علاوہ حکومت وقت کے دربار کا ماحول، اکبر بادشاہ کی ہندونوازی اور اسلام دشمنی، رافضیت کی طرف داری، نیز شریعت اسلامیہ میں رائج بدعات، توحید وجودی کے نام پر ملحدانہ عقائد کا پھیلاؤ اور اس کی روک تھام، تجدید دین اسلام کے لیے آپ کا اسلوب اور تن تنہا کوششوں کا مطالعہ کرسکیں گے۔

ماشاء اللہ! کتاب بہت سے اہم مضامین اور مضبوط تاریخی واقعات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، تصوف اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کے لیے یہ ایک بہت ہی علمی سوغات ہے۔

بہتر ہوتا کہ اس کتاب کے آخر میں جو پیوندکاری کی گئی ہے، وہ نہ ہوتی اور نہ ہی کسی پر طعن کیا جاتا، اس لیے کہ تمام اہلِ حق جماعتیں دین ہی کا کام کررہی ہیں اور اپنی اپنی نیت واخلاص کی بنیاد پر مستحقِ اجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو تمام شرور وفتن سے محفوظ فرمائے اور راہِ حق پر استقامت نصیب فرمائے۔

حج وعمرہ کے جدید وضروری مسائل

مولانا محمد اصغر کرنالوی۔ صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ الارشاد مہاجر مکی مسجد صدر کراچی۔ ملنے کا پتہ: دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔

مولانا محمد اصغر کرنالوی صاحب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور کئی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ زیرتبصرہ کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں کہ: میں نے حج وعمرہ کے موقع پر متعدد بار مسائل دینیہ سے ناواقف لوگوں کو ایسے کام اور گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اور سنا جو شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے بندہ نے انتہائی ضرورت محسوس کرتے ہوئے چند سوالات تحریر کیے اور مختلف دارالافتاؤں میں ان کے جواب کے لیے بھیجا، جواب ملنے پر انہیں سوال وجواب کی شکل میں ترتیب دیا اور اس کے ساتھ ساتھ حج وعمرہ کے فرائض، واجبات، سنن، مکروہات اور مختصر طریقۂ حج وعمرہ بھی عام فہم انداز میں تحریر کیا۔ حجاج کرام کے لیے یہ رسالہ بہت ہی نافع ہے۔

حیاۃ الصحابہؓ (اردو) مکمل تین جلد

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ۔ مترجم: حضرت مولانا محمد احسان الحق دامت برکاتہم۔ صفحات: جلد اول: ۶۱۴، جلد دوم: ۶۸۶، جلد سوم: ۶۵۲، عام قیمت اعلیٰ: ۲۵۰۰ روپے، سادہ: ۱۴۰۰ روپے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کی نبوت، نزولِ وحی، معجزات اور سفر وحضر کے چشم دید گواہ ہیں، اس لحاظ سے صحابہ کرامؓ دین اسلام کی اول اساس اور علم دین کے اول پھیلانے والے ہیں، صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے دین سیکھا اور امت کو سکھایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی اس برگزیدہ جماعت کو آپ ﷺ کی مصاحبت کے لیے چنا، اس لیے یہ جماعتِ صحابہؓ اس کی مستحق ہے کہ اس کو نمونہ بنا کر اس کا اتباع کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

> ''جسے دین کی راہ اختیار کرنی ہے تو ان کی راہ اختیار کرے جو اس دنیا سے گزر چکے ہیں اور وہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہؓ ہیں جو اس امت کا افضل ترین طبقہ ہے۔ قلوب ان کے پاک تھے، علم ان کا گہرا تھا، تکلف اور تصنع ان میں کالعدم تھا، اس لیے ان کی فضیلت اور بزرگی کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو اور طاقت بھر ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو مضبوطی سے پکڑو، اس لیے کہ وہی ہدایت کے راستے پر تھے''۔ (مشکوۃ، ص: ۱۵)

حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو صحابہ کرامؓ کے ساتھ بہت شغف ومحبت تھی، اس لیے اکثر ان کے احوال پڑھتے، سنتے اور بیان کرتے تھے، انہی کے حکم پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ نے حکایاتِ صحابہؓ مرتب کی۔ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ المعروف حضرت جیؒ نے ''حیاۃ الصحابہؓ'' عربی زبان میں مرتب کی، پھر حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے حکم پر حضرت مولانا احسان الحق زید مجدہٗ نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور یہ کتاب عرصہ دراز سے چھپ رہی ہے۔ اب زمزم کے احباب نے اسے کئی جدتوں اور نئے اضافات کے ساتھ اس کے شایانِ شایان چھاپا ہے، اس میں کیا

اضافات اور کیا نیا کام ہوا ہے، اس کے لیے عرضِ ناشر کے عنوان کے ساتھ انہوں نے لکھا ہے:

''الحمد للہ! زمزم پبلشرز اس مرتبہ مزید نئی کمپوزنگ بڑے سائز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ اس طباعت میں مزید تصحیح اور تخریج کے نئے حوالے بھی عربی کتاب سے نقل کیے گئے ہیں اور مزید حوالے جو وہاں نہ تھے، ان کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ مزید برآں غیر اردو داں طبقے کی سہولت کے لیے جابجا اعراب بھی لگائے گئے ہیں، تاکہ ہر طبقہ کے لیے صحیح طرح سے پڑھنا اور استفادہ آسان ہوجائے، گویا نئی کتاب صحت کے اعتبار سے اب بہت بہتر اور عمدہ ترین ہے، زمزم پبلشرز اس محنت کی وجہ سے لائق دادو تحسین ہے''۔

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی کتب اپنے گھر اور اپنی لائبریریوں میں ضرور رکھیں، تاکہ ہماری اولاد، ہمارے گھر والے اور ہماری نئی نسل صحابہ کرامؓ کی سیرت اور احوال پڑھ کر انہیں اپنی زندگیوں میں لائے اور ان کے نقش قدم پر چل سکے۔